جاری کردہ
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ ترجمان القرآن

نومبر ۱۹۹۹

مُدیر
پروفیسر خورشید احمد

اِدارۂ ترجمان القرآن

اور اللہ ہی نے تمہارے لئے گھروں کو رہنے کی جگہ بنایا (القرآن)

ہمارے منصوبے سب سے بہتر اور سب سے سستے دیکھیں اور فیصلہ کریں

آپ کے قابلِ اعتماد معاون "قاضی انٹرپرائزز" کا اسلام آباد، مری اور راولپنڈی میں 10 کامیاب منصوبوں کے بعد اسلام آباد میں دوسرا شاندار منصوبہ

کبھی اسلام آباد میں گھر بنانا مشکل تھا مگر اب نہیں

اسلام آباد میں قاضی انٹرپرائزز کا پر فضاء اور دلکش رہائشی منصوبہ

اسلام آباد ہل گارڈن

اسلام آباد کے انتہائی خوبصورت علاقہ سمبلی ڈیم روڈ پر لب سڑک۔ راول ڈیم اور چھترپارک کے قریب تر۔ ہمدرد سائنس یونیورسٹی۔ ڈینٹل کالج۔ اسلام آباد ٹیکنیکل کالج غزالی گرلز کالج اور دوسرے تعلیمی ادارے آپ کی دسترس میں۔ مری روڈ سے 10 کلو میٹر اور "فیملی گارڈن" سے 4 کلو میٹر کے فاصلہ پر۔

خوشخبری

30 نومبر تک پلاٹ بک کرانے والوں کیلئے

مری کی حسین وادیوں میں فیملی اپارٹمنٹ ٹائم شیئرنگ میں 25 سال کیلئے ہر سال

ایک ہفتے کی فری رہائش

قیمت

4 لاکھ روپے فی کنال

ایڈوانس 5 ہزار روپے فی مرلہ

نقد ادائیگی کی صورت میں 10 فیصد کی خصوصی رعایت

بقایا 36 برابر ماہانہ اقساط

سائز پلاٹ

1 کنال اور 5 کنال

سہولیات

- پختہ دکشادہ سڑکیں
- پختہ دکشادہ گلیاں
- بجلی، ٹیلی فون، پانی
- زیر زمین سیوریج سسٹم
- سیکورٹی کے پیش نظر سکیم کے لیے حفاظتی دیوار۔
- داخلہ کے لیے مین گیٹ۔
- مسجد، سکول اور کمرشل ایریا کے لیے جگہ مختص کر دی گئی ہے۔

خصوصیات

- پلاٹ خریدیں اور فوراً گھر تعمیر کریں۔ انتظار کی زحمت ہی نہیں۔
- اچھی زمین اور آب و ہوا کے پیش نظر گھر کے لان میں پھلدار اور پھولدار پودے اگائیں۔
- پبلک ٹرانسپورٹ آپ کے دروازے پر۔
- ماحولیاتی آلودگی سے پاک پر فضا مقام پر واقع

ہیڈ آفس

قاضی انٹرپرائزز

جنگ بلڈنگ مری روڈ راولپنڈی۔

فون 554464 فیکس 558633

E-mail: shaukat@isb.comsats.net.pk

web:www.qazi.com.pk

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جلد : ۱۲۶ ' عدد : ۱۱ ' نومبر ۱۹۹۹ ' رجب ۱۴۲۰

مدیر: پروفیسر خورشید احمد
نائب مدیر: مسلم سجاد

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ' ملتان روڈ' لاہور

فون : ۵۴۲۵۳۵۶

فیکس : ۷۸۳۲۱۹۴

E-mail: tarjuman@pol.com.pk

مدیر انتظامی

عبدالکریم

۵- اے ' ذیلدار پارک ' اچھرہ' لاہور

فون : ۷۵۸۷۹۱۶ - ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ : ۱۵ روپے

زر سالانہ : ۱۵۰ روپے

بھارت ۳۰۰ روپے

بنگلہ دیش' ایران ۴۵۰ روپے

مشرق وسطیٰ' یورپ

مشرق بعید' افریقہ ۶۵۰ روپے

امریکہ 'کینیڈا' آسٹریلیا ۹۰۰ روپے

2

۶۰ سال پہلے

حکومت در حکومت کا نظام

شمالی یوگوسلاویہ میں بوسنیا اور ہرزی گووینا سے جنوبی یوگوسلاویہ یعنی مقدونیا اور اسکابلج تک مسلمانوں کی آبادی ہے۔ ہر جگہ ان کی مساجد ہیں' مدارس ہیں اور محاکم شرعیہ ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ وہاں سلاوی' کروٹ' رومانی' ہنگری اور جرمن اقلیتیں بھی آباد ہیں۔ کل آبادی ڈیڑھ کروڑ افراد پر مشتمل ہے جس میں سترہ لاکھ مسلمان ہیں--- یوگوسلاویہ کے دارالحکومت بلغراد میں مسلمانوں کے مذہبی مسائل کا تصفیہ کرنے کے لیے محکمۂ شرعیہ قائم ہے اور اس شرعی نظام سے یوگوسلاویہ کے تمام مسلمان وابستہ ہیں۔ قابل لحاظ چیز یہ ہے کہ وہاں مسلمانوں کو پورے طور پر مذہبی آزادی اور تہذیبی خودمختاری حاصل ہے جس میں نہ تو افراد اور جماعتیں مداخلت کر سکتی ہیں' نہ خود حکومت دراندازہو سکتی ہے۔ ان کی تہذیب اپنی تہذیب ہے۔ کسی دوسری تہذیب کو ان کے سر چپیکنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ان کے مذہبی معاملات پر کسی قسم کی پابندی عائد ہے' اور نہ وہاں کی پارلیمنٹ کو ان کے قوانین میں رد و بدل کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ ان کے معاملات ان کے اپنے اختیار میں ہیں خصوصاً اوقاف کی آمدنی اور ان کا انتظام۔

----- یوگوسلاویہ میں ہر مسلم پر مذہبی تعلیم لازم ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا گاؤں خواہ وہ پہاڑیوں ہی پر کیوں نہ آباد ہو' مذہبی تعلیم سے محروم نہیں ہے۔ اس میں ضرور ابتدائی مدرسہ ہوتا ہے جہاں مسلمان بچوں کو قرآن کریم اور مذہبی مسائل کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ابتدائی سرکاری مدارس میں بھی مذہبی تعلیم مسلمانوں کے لیے جبری ہے جس کی مدت دو سال ہے اور جس کا سرکاری پروگرام کے ماتحت انتظام کیا جاتا ہے۔ مسلمان بچے جب اسلام کی ابتدائی تعلیم سے فارغ ہوتے ہیں تو انھیں سرکاری مدارس میں داخل کر دیا جاتا ہے جن میں انھیں عربی زبان کی تعلیم و کتابت کے ساتھ جغرافیہ' حساب' تاریخ وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

تعلیم کے سلسلے میں یہ واضح رہے کہ سرکاری مدارس میں مسلمان بچوں کے لیے معلم یا ماسٹر بھی مسلمان مقرر کیے جاتے ہیں۔ اگر کسی سرکاری درس گاہ میں مسلمان کا ایک بچہ بھی موجود ہے تو حکومت کا فرض ہو گا کہ اس کے لیے ایک مسلمان معلم کا بھی انتظام کرے۔ ظاہر ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں معلم کی سیرت' اس کے اخلاق و خیالات کو کتنا بڑا دخل حاصل ہے۔ اور یوگوسلاویہ کے مسلمان قابل تبریک ہیں کہ انھوں نے تعلیم کے شعبے کو اپنے قبضے میں رکھا ہے اور سرکاری مدارس میں بھی مسلمانوں کی خواہشات کا پورا احترام کیا جاتا ہے ("یوگوسلاویہ میں مسلمانوں کا شرعی نظام" زمزم سے اقتباسات' ترجمان القرآن' جلد ۱۵' عدد ۳' رمضان ۱۳۵۸ھ' نومبر ۱۹۳۹ء' ص ۲۲۲-۲۲۵)۔

3

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

جمہوریت کا المیہ ٗ فوجی قیادت کی آزمایش

پروفیسر خورشید احمد

پاکستان کی فوجی قیادت نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ کو چوتھی بار ملک کی زمام اقتدار سنبھالی اور نواز لیگ کی نام نہاد جمہوری حکومت کو برطرف کر دیا۔ ماضی کی مثالوں کے برعکس ٗ اس بار یہ اقدام کسی ایک شخص نے نہیں بلکہ فوج کی پوری قیادت نے اپنے سربراہ کی عدم موجودگی میں انجام دیا اور سابق وزیراعظم کے ایک ایسے اقدام کے ردعمل میں کیا جس نے دستور اور قانون کی روایات کو پارہ پارہ کرنے کے ساتھ ملک کی فوج کو تقسیم کرنے اور خانہ جنگی کی آگ بھڑکانے کا سامان کر دیا تھا۔ پاکستان کی سلامتی کو ایسا خطرہ اس کی باون سالہ تاریخ میں پہلی بار پیش آیا اور فوجی قیادت نے کمال دانش مندی سے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اور اپنی صفوں کو مضبوط رکھتے ہوئے اس خطرے کا قلع قمع کر دیا ٗ الحمدللّٰہ علٰی ذٰلکَ۔

جماعت اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ نے ٗ جو اس وقت لاہور میں سیاسی حالات پر سوچ بچار کر رہی تھی ٗ بڑے جچے تلے انداز میں فوج کے اس اقدام اور درپیش مسائل پر تبصرہ کیا ہے:

''نواز شریف حکومت نے ملک کے تمام اہم دستوری اداروں کو تباہ یا قابو میں کرنے کے بعد ملک کے سب سے بنیادی اور حساس ادارے ''فوج'' کو جس طرح بانٹنے اور اس میں سیاسی دخل اندازی کا خطرناک کھیل شروع کیا تھا ٗ وہ بالآخر اپنے المناک منطقی انجام کو پہنچ گیا ہے اور فوج نے نواز لیگ کی مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو برطرف کر کے اختیارات سنبھال لیے ہیں۔ اس حکومت کی برطرفی پر ٗ جس نے اپنی خلاف شریعت اور خلاف دستور کارگزاریوں اور بھارت و امریکہ سے دوستی کے نام پر ملکی سلامتی تک کو داؤ پر لگا دینے ٗ اور معاشی بداعمالیوں کے نتیجے میں ملک کو دیوالیہ ہونے کے کنارے پہنچا دینے کے باعث دستوری ٗ سیاسی اور اخلاقی طور پر حق حکمرانی کھو دیا تھا ٗ ملک نے چین کا سانس لیا ہے۔ تاہم یہ ساری کارروائی جس انداز میں عمل میں آئی ہے ٗ اس پر قوم کی تشویش بجا ہو گی۔ فوج کے ادارے کا تحفظ ملکی سلامتی کے لیے ضروری ہے ٗ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ملک کے نظریے اور عوام کی خواہشات کے مطابق

اسلامی دستوری نظام اور بنیادی حقوق کی حفاظت و احترام اور قانون کی حکمرانی بھی ازبس ضروری ہیں۔

"ان حالات میں جماعت اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ جہاں نواز حکومت سے نجات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہے اور اسے اس عوامی تحریک کا حاصل سمجھتی ہے جو پورے ملک میں سرگرم تھی' وہیں اپنی افواج اور ان کی قیادت سے یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ پوری حکمت اور دانش مندی کے ساتھ اور کسی تاخیر کے بغیر وہ راستہ اختیار کریں گے جس کے نتیجے میں ملک کا دستور' جو اسلام' جمہوریت اور اصول وفاق پر مبنی ہے' اپنی اصل روح کے مطابق موثر رہ سکے۔

"جماعت اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ اپنے اس اصولی موقف کا اظہار ضروری سمجھتی ہے کہ ملک ماضی میں مارشل لا کے متعدد تجربات کر چکا ہے اور ہمارے مسائل کا حل مارشل لا نہیں۔ اسی طرح جماعت اسلامی یہ اعلان بھی کرتی ہے کہ آزمائی ہوئی اور کرپٹ سیاسی قیادتوں کے درمیان محض چہرے بدلنے سے ہم مسائل کی اس دلدل سے نہیں نکل سکتے جس میں ان مفاد پرست سیاسی بازی گروں نے ملک و ملت کو دھنسا دیا ہے۔ اسی طرح محض ایسے ٹیکنوکریٹ بھی صحیح قیادت فراہم نہیں کر سکتے' جن کو عوام کی تائید حاصل نہ ہو اور جو ان کے سامنے جواب دہ نہ ہوں۔ فوجی قیادت کو ماضی کے تجربات کی روشنی میں اس امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ماضی کے دونوں حکمران خاندان یعنی بھٹو فیملی اور شریف فیملی جنھوں نے فسطائیت اور کرپشن کے سنئے ریکارڈ قائم کیے' مارشل لا ادوار ہی کی پیداوار تھے۔ اگر ایسے ہی کچھ لوگ ایک بار پھر آگے آتے ہیں تو نتائج اور عوامی ردعمل ماضی سے مختلف نہیں ہو سکتا۔

"وقت کی اصل ضرورت ایک ایسی عبوری حکومت ہے جس کی اسلام اور پاکستان سے وفاداری کے ساتھ اہلیت اور بے داغ کردار پر قوم اعتماد کر سکے اور جسے آئینی ذرائع سے اتنا موقع اور میعاد دی جائے کہ وہ تمام حکمرانوں' سیاست دانوں اور اعلیٰ عہدے داروں کا بے لاگ اور کڑا احتساب کر کے سیاسی میدان کو غلاظت سے صاف کر دے۔ نیز نظام انتخاب اور اس کی مشینری کی موثر اصلاح کر دے تاکہ اس کے تحت ایسے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات منعقد ہو سکیں جو صحیح معنوں میں رائے عامہ کو منعکس کر سکیں اور ملک کو اس جاگیردار' سرمایہ دار اور مفاد پرست مافیا سے نجات دلا سکیں جو "پیران تسمہ پا" کی طرح اس پر مسلط رہی ہے۔ نیز یہ منتخب نمایندے آئین کی دفعہ ۶۲ اور ۶۳ پر پورے اتریں۔ ملک کے مسائل کا حل اسی وقت ممکن ہے جب ایک ایسی قیادت ابھر سکے جو عوام میں سے ہو' عوام کے سامنے جواب دہ ہو' دستور کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ہو اور جسے قوم کا حقیقی اعتماد حاصل ہو۔

"ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ملک کو موجودہ نازک صورت حال سے جلد نکالے اور جو افراد اس وقت ذمہ دار ہیں' انھیں توفیق بخشے کہ عوام کی خواہش کے مطابق' آئین کی روح اور اس کے اصل مقاصد کا احترام کرتے ہوئے' جلد از جلد ایک ایسا عبوری نظام قائم کریں جو مندرجہ بالا اہداف کو حاصل

کر سکے۔ ہم عوام سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ اسلامی جمہوری نظام کے قیام کے لیے اپنے حقیقی ہدف کے لیے آئین اور قانون کے مطابق اپنی جدوجہد جاری رکھیں تاکہ پاکستان اپنے مقصد وجود کو حاصل کر سکے اور دشمنوں کی تمام چیرہ دستیوں اور سازشوں سے محفوظ رہے"۔

پوری قوم نے نواز حکومت کی برطرفی اور فوج کی یک جہتی پر جس انداز میں اطمینان کا سانس لیا ہے اور ہر طبقے نے جس طرح اس کی تائید کی ہے' اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سابقہ حکومت قوم کا اعتماد مکمل طور پر کھو چکی تھی' اور ملک کے عوام نے فوج کے اس اقدام کو اپنے دل کی آواز سمجھا ہے۔ وہ مغربی صحافی' مبصر اور حکومتیں بھی جو فوجی مداخلت پر نکتہ چین ہیں' یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ پاکستانی قوم نے اس اقدام کا خیر مقدم کیا ہے اور قومی سلامتی سے جو خطرناک کھیل سابقہ حکومت کھیل رہی تھی' اس سے اپنی مکمل برأت کا اظہار کر دیا ہے۔

یہ عوامی تائید دراصل نواز حکومت کی اکتیس ماہ پر پھیلی ہوئی کارکردگی کے خلاف ایک عوامی استصواب کی حیثیت رکھتی ہے۔ کارگل کی پسپائی کے بعد جو عوامی ردعمل رونما ہوا تھا اور جو ایک ملک گیر تحریک کی شکل اختیار کر رہا تھا' اسے نواز حکومت نے اپنی ہوس اقتدار اور مہم جوئی (adventurism) کے ذریعے اچانک اور یک لخت (abruptly) ایک نتیجے تک پہنچا دیا جس سے سیاسی منظر یکسر تبدیل ہو گیا۔ فوجی قیادت نے متبادل انتظام قائم کرنے کے لیے جس تذبذب اور تامل کا مظاہرہ کیا' وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ فوج کا یہ اقدام کسی سوچے سمجھے اور پہلے سے تیار شدہ منصوبے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اسے ایک غیر معمولی صورت حال سے فی الفور سابقہ پیش آیا۔ اب جو ذمہ داری فوجی قیادت نے قبول کر لی ہے' اس کا تقاضا ہے کہ وہ پورے غور و فکر' بہترین مشورے' ماضی کے تجربات اور درپیش چیلنجوں کی روشنی میں معاملات کو طے کرے۔ جو اہداف چیف ایگزیکٹو نے اپنی دوسری تقریر میں بیان کیے ہیں' وہ بلاشبہ اس وقت قوم کا حقیقی ایجنڈا ہیں لیکن ان تمام چیلنجوں کا فوری حل ممکن نہیں اور نہ فوج کی قیادت سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ان سب معاملات کو چشم زدن میں طے کر دے۔ اس لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ مسائل کا صحیح ادراک ہو' وہیں یہ بھی ازبس ضروری ہے کہ ان کے حل کے لیے مطلوبہ حکمت عملی اور اس پر عمل درآمد کے لیے مناسب نظام کار کا بھی پورا شعور اور اہتمام ہو۔ یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ ان اہداف کو کس نظام الاوقات کے اندر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ غیر معمولی حالات میں ملک و قوم کو بچانے کے لیے سیاسی اور معاشی امور میں فوج کی مداخلت کا جو جواز ہے وہ اس شرط سے مشروط ہے کہ وقتی خرابی کو دور کر کے فوج اپنے اصل کام یعنی ملک کے دفاع میں مصروف ہو جائے اور ان کے بعد نیا سول نظام مسائل کو حل کرنے کا کام انجام دے۔ یہی وجہ ہے کہ دستوری قانون کے ماہرین اور پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں نے اس صورت حال کو ہمیشہ وقتی' عارضی اور

محض متبادل نظام کو وجود میں لانے کا ذریعہ قرار دیا ہے اور اسے دستور کی نفی یا تنقیص نہیں بلکہ وقتی دستوری انحراف (temporary constitutional deviation) کہا ہے۔ فوجی قیادت نے اس رعایت سے دستور کے صرف کچھ حصوں کو معطل کیا ہے اور دستور کے قریب قریب نظام چلانے کا عندیہ دیا ہے۔ ان کا وعدہ ہے کہ بنیادی حقوق' سیاسی سرگرمیاں' صحافت کی آزادی' اور عدالت کا نظام سب دستور کے مطابق موجود رہیں گے' حتیٰ کہ اسمبلیاں اور سینیٹ بھی ختم نہیں ہوئے صرف وقتی طور پر معطل کیے گئے ہیں جس کے باعث وہ معلق رہیں گے۔ ان کی قسمت کا فیصلہ آیندہ حالات کے مطابق ہو گا یعنی ان کو دوبارہ موثر بنا دیا جائے یا نئے انتخاب کے ذریعے نئی اسمبلیاں وجود میں لائی جائیں۔ جو راستہ اختیار کیا گیا ہے اس کے ذریعے فوری انقلابی اقدامات کا دروازہ کھل جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ دستوری تسلسل باقی رہتا ہے۔ یہ نہایت اہم بات ہے اس لیے کہ دستور کے منسوخ ہو جانے کی صورت میں کامل اتفاق رائے سے نئے دستور کی تیاری کا معاملہ بڑا مشکل اور خطرات سے پُر ہے۔

سب سے پہلے جس سوال پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ آخر بار بار جمہوری نظام کیوں ناکام ہو رہا ہے۔ ایک مدت کے بعد ایسے حالات کیوں پیدا ہو جاتے ہیں کہ فوج ریاستی نظام میں دخل اندازی کرتی ہے اور سیاست کی بساط کو لپیٹ کر رکھ دیتی ہے۔ ہماری نگاہ میں جن حالات میں موجودہ فوجی قیادت نے زمام کار سنبھالی ہے وہ کئی پہلوؤں سے منفرد ہیں' لیکن پچھلے ۵۲ برسوں میں جس طرح جمہوری اور فوجی حکومتوں کے درمیان ادل بدل ہوتی رہی ہے' وہ گہرے غور و خوض اور تجزیہ و تحلیل کی متقاضی ہے۔

برعظیم پاکستان اور بھارت کی سیاسی جدوجہد پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگ ۱۹۰۶ میں قائم ہوئی' لیکن اسے مسلم عوام کی ایک حقیقی قوت بننے میں بڑا وقت لگا۔ ۱۹۳۶ میں قائداعظم محمد علی جناح نے جب اس کی قیادت سنبھالی تو وہ بڑی حد تک مخصوص طبقات کی نمایندہ تھی۔ قائداعظم کی ان تھک محنت اور بالغانہ قیادت میں مسلم لیگ ایک عوامی قوت بنی اور ۱۹۴۰ میں پاکستان کے مطالبے کی شکل میں اس نے اپنے لیے ایک واضح ہدف کا انتخاب کیا۔ جیسے جیسے قیام پاکستان کی منزل قریب آنے لگی' مختلف النوع عناصر نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی لیکن نہ ان میں آپس میں مکمل ہم رنگی اور ہم آہنگی تھی اور نہ عوام سے ان کا وہ رشتہ اور تعلق تھا جو اولیں قیادت نے قائم کیا تھا۔ پاکستان کے قیام کے بعد قائداعظم اور ان کے معتمد علیہ ساتھیوں کو نئی ریاست کی تعمیر اور اس کی ان مقاصد کے مطابق تشکیل نو کا وقت نہ ملا جو نئی بنیادوں پر تعمیر کے لیے ضروری تھا۔ قائداعظم ایک ہی سال میں اپنے رب سے جا ملے اور لیاقت علی خاں کو سازشی عناصر نے میدان سے ہٹا دیا اور ایک انقلاب معکوس کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

چند ہی سال میں زمام اقتدار مسلم عوام کے حقیقی نمایندوں کے ہاتھوں سے نکل کر بیورو کریسی اور مفاد پسند عناصر کے ہاتھوں میں آگئی جنھوں نے حکومتوں کو معطل کرنے' دستور کو توڑنے' پریس کی زبان بندی کرنے' سیفٹی ایکٹ کے نام پر سیاسی آزادیوں کا گلا گھونٹنے اور علاقائی عصبیتوں کو ہوا دینے کا کام کیا۔ دستور کے بننے میں ۹ سال لگے اور پھر اڑھائی سال کے اندر اس دستور کو توڑ کر فوجی آمریت قائم کر دی گئی۔ بیرونی طاقتوں نے' خصوصیت سے امریکہ نے' اس اکھاڑ پچھاڑ میں ایک خاص کردار ادا کیا اور پاکستان کو فوجی معاہدوں اور عالمی استعماری دروبست میں ضم کر لیا۔ تحریک پاکستان کے مخلص کارکن یا تو مسلم لیگ کو چھوڑ گئے اور یا غیر موثر بنا دیے گئے اور قیادت کی باگیں جاگیردار' زمین دار' سرمایہ دار اور سول و ملٹری بیورو کریٹس کے ہاتھوں میں آگئیں۔ یہ وہ "قبضہ گروپ" ہے جس نے مسلم لیگ اور اس کے بطن سے نکلنے والی تمام دوسری سیاسی جماعتوں--- جناح لیگ' عوامی لیگ' ری پبلکن پارٹی' کنونشن لیگ' پیپلز پارٹی' نواز لیگ--- کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ یہی طبقہ ہے جو چولے بدل بدل کر ملک کی سیاست پر قابض رہا ہے۔

سیاسی محققین کا اندازہ ہے کہ بہ مشکل پانچ سو خاندانوں کے چند ہزار افراد ہیں جو اس نصف صدی میں سیاست ہی نہیں' تجارت' صنعت' بنک کاری' انتظامیہ' پولیس اور فوج پر چھائے رہے ہیں۔ اس طرح جمہوریت خاندانی سیاست اور مبنی بر مفاد حکمرانی کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔ سیاسی جماعتوں نے عوام کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکا لیکن ان کی بنیاد پر اوپر سے نیچے تک کوئی سیاسی تنظیم قائم نہیں کی جس میں ہر ایک کی شرکت اور مقام ہو اور جو مشاورت اور احتساب کے کسی نظام کار کی بنیاد پر کام کرے۔ یہ وہ بنیادی خرابی ہے جس نے ملک کو جمہوری کلچر سے محروم رکھا ہے اور سیاست اور حکومت چند خاندانوں اور مفاد پرستوں کی آماجگاہ بنے رہے ہیں۔ انتظامی مشینری' پولیس' عدالت حتیٰ کہ فوج تک کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور قانون کی حکمرانی' مشورے کا نظام' اور جواب دہی اور احتساب' جو جمہوریت کی روح ہیں' ان سے ہمارا نظام محروم رہا ہے۔ دستور اگر بن بھی گیا تو دستور کا احترام مفقود رہا' گویا پابندی دستور (constitutionalism) کی روایت قائم نہ ہو سکی۔

سیاسی عمل کے اس بگاڑ کے ساتھ ساتھ بگاڑ کا دوسرا سبب اس مقصد اور وژن سے انحراف اور غداری ہے جو پاکستان کی محرک قوت تھا۔

پاکستان محض ایک علاقے کا نام نہیں' ایک نظریے اور ایک تصور حیات کی علامت ہے۔ برعظیم کے مسلمانوں نے یہ عظیم جدوجہد اپنے دین کے احیا اور اپنے ایمان' اقدار اور اسلامی تہذیب و تمدن کے مطابق نئی زندگی کی تشکیل کے لیے کی تھی۔ قائداعظم نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ ہماری اصل منزل اسلام کے مطابق نظام زندگی کا قیام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برعظیم کے وہ مسلمان جن کو پاکستان کی ہوا بھی لگنے کا کوئی امکان نہ تھا' انھوں نے بھی اس مقصد کے لیے اپنی جانیں دیں کہ اسلام کو ایک مرکز اور مسکن میسر آجائے

اور اس طرح برعظیم میں مسلمانوں کے احیاے نو کا سامان ہو جائے۔ اسلام ہی وہ جذبہ فراہم کرتا ہے جس سے یہ قوم ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتی ہے اور اگر یہ رشتہ کمزور ہو جائے تو پھر تقسیم در تقسیم کے عمل سے ملت کا شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے۔

اسلام اور جمہوریت ہی وہ محرک تھے جن سے تحریک آزادی کی آبیاری ہوئی اور یہی وہ منزل مقصود تھی جس کی لگن، پاکستان کو ترقی کی اعلیٰ ترین منزلوں سے ہم کنار کر سکتی تھی۔ آج بھی جب ہم ۵۲ سال کے بعد، اور اپنے آدھے جسم کو کھو دینے کے بعد، اپنے مستقبل پر غور کر رہے ہیں تو ہمیں اس امر کے ادراک کی ضرورت ہے کہ اسلام اور حقیقی جمہوریت کے سوا کوئی چیز اس ملک کے بقا اور ترقی کی ضامن نہیں ہو سکتی۔

جماعت اسلامی نے قیام پاکستان کے بعد اپنی ساری جدوجہد کو اسلام کے عالمی پیغام کی دعوت کے ساتھ انھی دو اہداف کے حصول کے لیے وقف کیا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ۱۹۶۲ میں پہلے مارشل لا کے اٹھتے ہی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز کرتے ہوئے قوم کو جن اصولوں کی دعوت دی وہ، وہ مستقل اساس اور نظام فراہم کرتے ہیں جن پر پاکستان کے وجود اور ترقی کا انحصار ہے۔ مولانا نے فرمایا:

"ایک ملک کے نظام کو چلانے کے لیے انصاف اور معقولیت کے فطری اصولوں کو چھوڑ کر جب کام کیا جاتا ہے تو اس سے کس طرح غلطیوں پر غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، ٹھوکروں پر ٹھوکریں لگتی چلی جاتی ہیں اور بالآخر ملک کس انجام کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر میں صاف صاف کہتا ہوں کہ جب تک اس ملک میں جمہوری نظام بالکل صحیح، فطری اور معقول اصولوں پر قائم نہیں ہوتا، اس وقت تک اس ملک کی خیر نہیں ہے۔ اگر ہم یہ غلطی نہیں کرنا چاہتے کہ ڈیڑھ دو سو برس کی غلامی کے بعد جو آزاد مملکت خدا نے ہمیں بخشی ہے، اسے اپنے ہاتھوں برباد کر کے پھر کسی عذاب کو اپنے اوپر دعوت دیں، تو ہمیں سیدھی طرح یہ اصول مان لینے چاہییں کہ:

۱۔ ملک باشندوں کا ہے، کسی شخص یا گروہ یا برادری کا نہیں ہے، اس لیے اس کا نظام باشندوں کی مرضی سے ہی بننا اور چلنا چاہیے۔

۲۔ حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہونی چاہیے جن کو لوگ اپنی آزاد مرضی سے اپنا نمایندہ منتخب کریں۔

۳۔ انتخاب وہی صحیح ہے جس میں ملک کے ہر بالغ شخص کو براہ راست رائے دہی کا حق ہو۔ بالواسطہ انتخاب جمہوریت نہیں بلکہ آمریت چلانے کا آلہ ہوتا ہے۔

۴۔ جس انتخاب میں دھن، دھونس، دھاندلی اور انتظامی افسروں کی مداخلت سے کام لیا جائے وہ سرے سے کوئی انتخاب ہی نہیں ہے اور قوم کو ایسے انتخاب میں رائے دہی کا حق حاصل ہوتا، یا نہ

ں ہوتا یا نہ

ہونا بالکل یکساں ہے۔

۵۔ ملازمین حکومت' خواہ وہ فوجی ہوں یا سول' ان کا کام خود حکومت کرنا نہیں ہے بلکہ عوام کے نمایندوں کے تحت حکومت کا انتظام کرنا ہے۔

۶۔ ملک کے نمایندوں کی جو پارلیمنٹ یا اسمبلی ہو' تمام اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہونے چاہییں' کوئی شخص بھی اس پر جج بنا کر نہ بٹھایا جانا چاہیے۔

۷۔ ملک کے نظام کا صحیح طریقے سے چلنا اس پر منحصر ہے کہ ملک میں پریس آزاد ہو' خبررسانی اور نشرواشاعت کے ذرائع پر کسی طرح کا بے جا کنٹرول نہ ہو' لوگ اپنے ملک کے حالات سے ٹھیک ٹھیک باخبر رکھے جائیں' اور انھیں ہر نقطۂ نظر سننے اور آزادی کے ساتھ بحث مباحثہ کر کے رائے قائم کرنے کے پورے مواقع حاصل ہوں۔

۸۔ ملک کا نظام اس نظریے پر قائم ہونا چاہیے جسے ملک کے باشندوں کی اکثریت قبول کرتی ہو' مگر جن نظریات کے لوگوں کی اقلیت ہو' انھیں اس امر کے پورے مواقع حاصل رہنے چاہییں کہ وہ رائے عام کی تائید حاصل کر کے برسراقتدار آسکیں' اور کبھی ایسے حالات پیدا نہ ہونے چاہییں کہ کسی خیال کے لوگ تبدیلی نظام کے لیے غیر آئینی راستے تلاش کرنے لگیں۔

آج پاکستان ایک بار پھر مستقبل کی سیاسی شاہ راہ کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ کیا ہر مخلص' صاحب نظر کا دل گواہی نہیں دے گا کہ یہی وہ بنیادیں ہیں جن پر ہم اپنے گھر کی صحیح تعمیر کر سکتے ہیں۔

جمہوریت کی ان اصولی اور حقیقی بنیادوں کی بات نامکمل رہے گی اگر ایک پہلو کی ذرا کھل کر وضاحت نہ کر دی جائے۔

روح قانون کی حکمرانی' تمام شہریوں کی مساوات اور ان کے بنیادی حقوق کی حفاظت' عدلیہ کی آزادی اور توازن اختیارات کے نظام کے احترام کا نام ہے۔ یہی وہ فریم ورک ہے جس میں رائے عامہ کی مرضی سے حکومت کا بننا اور بدلنا اور ہر سطح پر جواب دہی کے موثر نظام کی موجودگی--- یعنی پارلیمنٹ' عدلیہ اور عوام کی عدالت بہ صورت انتخابات--- صحت مند جمہوری نظام کی ضمانت دیتے ہیں۔ سول انتظامیہ اور فوج کا سیاست میں ملوث نہ ہونا اور اپنے اپنے فرائض انجام دینے کے لیے مستعد رہنا بھی اس کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ سب عناصر مل کر ہی جمہوری عمل کو موثر اور ثمرآور بناتے ہیں۔

اگر اوپر بیان کیے گئے اصولوں کا احترام نہ ہو تو محض انتخابی ڈرامے سے وجود میں آنے والے اقتدار کو جمہوری نہیں کہا جا سکتا۔ بلاشبہ انتخابات موجودہ دور میں جمہوریت کا ایک اہم ستون اور اس کی نمایاں علامت ہیں لیکن خود انتخابی نظام کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ موثر' غیر جانب دار اور شفاف ہو اور اس

سے وہ مقاصد حاصل کیے جا سکیں جن کے لیے وہ مرتب کیا گیا ہے۔ پاکستانی جمہوریت کا المیہ ہے کہ یہاں ایک مدت تک تو قومی انتخابات منعقد ہی نہ ہوئے (یعنی ۱۹۷۰ء تک--- پورے ۲۳ سال) اور جب انتخابات کا سلسلہ شروع ہوا تو پورے نظام کو اس طرح بگاڑ دیا گیا کہ وہ عملاً رائے عامہ کے اظہار کا نہیں' اسے غیر موثر بنانے کا ذریعہ بن گئے۔ انتخابات میں دھن' دھونس اور دھاندلی کا بول بالا ہوتا ہے۔ ووٹروں کی فہرست سے رائے دینے کے عمل تک ہر چیز پر سیاسی اور معاشی مافیا کا قبضہ ہے' جو اپنی مرضی کے مطابق سارے معاملات طے کرا لیتا ہے۔ سرکاری مشینری کی مداخلت اس پر مستزاد ہے۔ پھر خود برطانوی طرز کی واحد نمایندہ والے حلقہ انتخاب (constituencey) کا نظام اتنا خام اور ناکارہ ہے کہ اس کے ذریعے کبھی بھی پارلیمنٹ فورم کی حقیقی رائے کی عکاسی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے جدید دنیا کے ۷۲ ممالک میں متناسب نمایندگی کا نظام رائج کیا گیا ہے جس کے ذریعے پارلیمنٹ کو رائے عامہ کا زیادہ سے زیادہ آئینہ دار بنایا جا سکتا ہے۔ خود انگلستان میں اب اس نظام کے جزوی طور پر اجرا پر بحث ہو رہی ہے اور ۱۹۹۹ کے یورپی پارلیمنٹ کے انتخابات پوری مملکت برطانیہ میں متناسب نمایندگی کے اصول پر منعقد کیے گئے ہیں۔

جمہوری نظام کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ نظام انتخابات میں بنیادی اصلاحات کی جائیں۔ متناسب نمایندگی کے اصول کو کلی یا کم از کم ۵۰ فی صد نشستوں کے لیے اپنایا جائے۔ الیکشن کمیشن مکمل طور پر آزاد ہو اور حکومت اور حزب اختلاف کے مشورے سے اس کا تقرر ہو۔ ووٹروں کی فہرستیں ایمان داری سے بنائی جائیں اور ہر چھ ماہ پر نئے اندراجات کیے جاتے رہیں۔ ووٹر کے شناختی کارڈ میں تصویر یا دستخط / انگوٹھے کا نشان لازمی ہو۔ سارا نظام کمپیوٹر کے ذریعے روبہ عمل لایا جائے۔ دستور کی دفعہ ۶۲-۶۳ کو' جو اتنی ہی اہم ہیں' جتنی الیکشن کے سلسلے کی دوسری دفعات' عملاً موثر بنایا جائے۔ جمہوری نظام کے بگاڑ کا ایک بہت بڑا سبب ہمارے نظام انتخاب کی خامی اور بگاڑ ہے اور اس کی اصلاح کے بغیر باقی نظام کی اصلاح ممکن نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہٹلر' مسولینی' اسٹالن' ٹیٹو' اور خود تیسری دنیا' عرب اور مسلمان ممالک کے بہت سے حکمران ۹۰ اور ۹۸ فی صد ووٹ لے کر اقتدار پر براجمان ہوئے ہیں مگر ان کے اس نوعیت کے انتخابات کو کسی نے جمہوری عمل نہیں مانا۔ ہمارے ملک کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ یہاں کا انتخابی نظام عوام کی نمایندگی کو حقیقی بنانے میں ناکام رہا ہے اور ملک جمہوری قیادت سے محروم رہا ہے۔

ان اصولی گزارشات کے بعد ہم اختصار سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ملک کی پوری سیاسی تاریخ میں اور خصوصیت سے ۱۹۸۵ کے بعد نئے جمہوری دور کے آغاز کے بعد وجود میں آنے والی تمام اسمبلیوں اور حکومتوں نے ان جمہوری بنیادوں کو بڑی بے دردی سے پامال کیا اور جمہوریت کے نام پر ذاتی اور خاندانی بادشاہت قائم کرنے' عوام کے حقوق کو نظرانداز کرنے' قومی مصالح اور عزائم سے بے وفائی برتنے'

دستوری اداروں کو غیر مستحکم کرنے اور قومی دولت کو بے دریغ لوٹنے میں اپنی ساری قوتیں صرف کر دیں۔ یہاں صحیح بنیادوں پر ایک اسلامی اور فلاحی معاشرہ قائم کرنے اور جمہوریت کی جڑوں کو مضبوط کرنے کی کوئی کوشش نہ ہوئی۔ خاص طور پر دونوں بڑی پارٹیاں یعنی نواز مسلم لیگ اور بے نظیر کی پیپلز پارٹی' ایک ہی حکمت عملی پر کام کرتی رہیں۔ ان میں قوت کا ارتکاز ایک خاندان میں واقع ہوا جس نے ملک کے سیاہ و سپید کا مالک بننے کی کوشش کی۔ دونوں خاندان مارشل لا کے ادوار کی پیداوار ہیں اور دونوں ہی نے جمہوریت کا گلا گھونٹنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ دستور کا حلیہ بگاڑ دیا گیا اور اس میں جو توازن قوت تھا اسے درہم برہم کر دیا گیا۔ دستور اور قانون کے مطابق حکمرانی ان کی سرشت میں ہی نہیں تھی۔ ذاتی وفاداری کی بنیاد پر پورا نظام قائم کیا گیا۔ ہر ادارے کی آزادی اور تقدس کو پامال کیا گیا۔ مالی بدعنوانی کے باب میں ہر ایک نے دوسرے سے بڑھ کر ریکارڈ قائم کیا اور پوری قوم بلکہ آنے والی نسلوں کو بھی' قرض کی غلامی میں جکڑ کر داو عیش دی۔ دونوں نے اربوں روپے کی مالیت سے ملک میں اور ملک کے باہر محلات تعمیر کیے اور معاشی ایمپائرز قائم کیں۔ نام نہاد جمہوری عناصر کا یہی وہ کردار ہے جس نے عوام کے اعتماد کو پارہ پارہ کر دیا' ان کو مایوسی کی لپیٹ میں لے لیا اور نوبت بڑے پیمانے پر خودکشی اور خودسوزی تک پہنچ گئی۔

ان نام نہاد جمہوری قیادتوں نے جو ظلم ملک و ملت پر کیا وہ صرف بیرونی قرضوں کی غلامی ہی تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر انھوں نے ملک کے معاملات میں بیرونی قوتوں کو عملاً اتنا دخیل کر دیا کہ پاکستان کی آزادی اور سلامتی معرض خطر میں آگئی۔ شریف خاندان ہو یا بے نظیر خاندان' دونوں نے امریکہ اور بھارت کی قیادتوں سے ایسے رشتے استوار کیے جو ملک کی آزادی' غیرت اور سلامتی کے منافی تھے۔ ایک امریکی مبصر نے بڑے تلخ انداز کے ساتھ لکھا ہے کہ بھارت کی قیادت نے اپنے اقتدار کی مدت بڑھانے کے لیے کبھی واشنگٹن کے چکر نہیں لگائے لیکن پاکستان کی ہر قیادت اپنے لیے پروانہ حیات حاصل کرنے کے لیے واشنگٹن کا طواف کرتی ہے۔ بے نظیر نے راجیو سے لے کر بش اور کلنٹن تک اور نواز شریف اور ان کے برادر خورد اور آئی ایس آئی کے سربراہ خواجہ ضیاالدین نے جس طرح واشنگٹن سے اقتدار کی بھیک مانگی اور امریکہ کو ہمارے داخلی معاملات میں دراندازی کی دعوت دی' وہ قومی غیرت کے منافی ہی نہیں بلکہ ملک و ملت کی سلامتی پر ضرب کاری اور ہر اعتبار سے غداری (high treason) کے مترادف ہے۔ اگر بے نظیر نے نصرت بھٹو کے اشارے پر راجیو گاندھی سے خود اپنی فوج کے مقابلے میں مدد کی درخواست کی تھی تو نواز شریف اور ان کے طائفے نے کلنٹن اور اس کی انتظامیہ سے اپنے اقتدار کے تحفظ کی بھیک مانگی۔ اس سلسلے میں ریکارڈ کی خاطر چند شواہد کی طرف اشارہ ضروری ہے۔

ا۔ نواز شریف اور شہباز شریف نے سی ٹی بی ٹی پر دستخطوں اور نیوکلیر پروگرام کو بتدریج ختم کر دینے کا وعدہ کیا۔ اس معاملے کو بھارت سے دستخطوں اور کشمیر کی آزادی کے مسائل سے منقطع

(delink) کیا اور امریکہ سے فوج پر دباؤ کی درخواست کی۔

۲۔ بھارت سے ہر قیمت پر دوستی، تجارت اور اس کی علاقائی بالادستی تسلیم کرنے کو قبول کر لیا اور اس کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔

۳۔ اسلامی احیا کی تحریکوں کے خلاف امریکہ کی عالمی مہم میں بہ خوشی شریک ہو گئے اور مسلمان تحریکوں اور خصوصیت سے جہادی تحریکوں کو "تشدد" کے نام پر قابو کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا ہو گئے۔ اس سلسلے میں طالبان کو، جن کی حکومت کو سب سے پہلے پاکستان نے تسلیم کیا تھا، خصوصیت سے نشانہ بنایا اور دونوں بھائیوں نے ان کے خلاف اشتعال انگیز زبان استعمال کی۔

۴۔ کشمیر کے مسئلے پر بھارت سے سمجھوتے کے لیے کھلی اور خفیہ سفارت کاری کی، کارگل سے پسپائی کی شکل میں پاکستان اور تحریک جہاد کشمیر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔

۵۔ امریکہ اور بھارت دونوں کی نگاہ میں پاکستان کی فوج کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے۔ اگر بھارت نے پاکستان کی فوج کو "غنڈا فوج" (rogue army) قرار دے کر ساری دنیا میں پروپیگنڈا کیا، تو نواز حکومت اور اس کے حواریوں نے کارگل کا ملبہ فوج پر ڈالنے، فوج میں اندرونی خلفشار پیدا کرنے، اور فوج میں اپنی پسند کے لوگ مسلط کرنے کا کھیل کھیلا۔ آئی ایس آئی کے سربراہ خواجہ ضیا الدین نے صرف سی آئی اے ہی نہیں، امریکہ کی پوری قیادت کو اپنی ہی فوج کے بنیاد پرست رجحانات سے مطلع کیا اور ان کے مقابلے میں "لبرل" عناصر کی مدد کی دعوت دی۔

ایک جملے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس قیادت نے پاکستان اور اس کے نظریے سے غداری کرتے ہوئے امریکہ کے عالمی نظام کا آلہ کار بننے اور بھارت کے آگے گھٹنے ٹیک کر ذاتی مفادات حاصل کرنے کا کھیل کھیلا۔ یہی وجہ ہے امریکہ اور بھارت نے اس ٹولے کو اقتدار میں رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی اور جب ان کا اقتدار ختم ہو گیا تو جہاں قوم نے اللہ کا شکر ادا کیا وہاں ان حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ (اٰل عمرٰن ۳:۵۴) ایک چال انھوں نے چلی اور اس کے برعکس اللہ نے اپنی تدبیر کی اور بے شک اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

بھارت کے سابق خارجہ سیکریٹری جے این ڈکسٹ (J.N. Dixit) اور سابق سیکورٹی ایڈوائزر این این ووہرا (N.N. Vohra) نے تقریباً ایک مہینے کا امریکہ کا دورہ کیا جس میں ان کے مرکزی اہداف کشمیر کے مسئلے پر لائن آف کنٹرول کو مستقل کرنا اور نواز شریف کی حکومت کے بقا و استحکام تھے۔ ڈان کے نمایندے شاہین صہبائی کی رپورٹ ملاحظہ ہو:

جے این ڈکسٹ اور ایم این وہرہ نے کہا کہ "بھارت وزیراعظم نواز شریف کو اقتدار میں رکھنے کے لیے دنیا کی کسی بھی چیز کی پیش کش کر سکتا ہے، اس لیے کہ متبادل طور پر بنیاد پرست طالبان طرز کی

حکومت قائم ہو سکتی ہے"--- "اگر ہمارے مفادات متاثر نہ ہوں تو ہم انھیں ساری دنیا دینے کے لیے تیار ہیں"۔ انھوں نے واضح طور پر اس عندیہ کا اظہار کیا کہ بھارت لائن آف کنٹرول کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے۔

کشمیر کے مسئلے پر بھارت کے موقف کو دو ٹوک الفاظ میں ان دونوں نے یوں بیان کیا:

بھارت تقسیم کے ایک عمل سے گزرا ہے' دوسرا نہیں چاہتا۔ پاکستان نے دو دفعہ تقسیم دیکھی ہے۔ یہ قبول کر کے کہ کشمیر بھارت سے علیحدہ ہو سکتا ہے' ہم کسی نئی تقسیم کے جراثیم پرورش پانے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے (ڈان' ۶ اگست ۱۹۹۹)۔

شہباز شریف امریکہ کی پشت پناہی کے حصول اور تمام اہم امور پر مکمل تابع داری کا یقین دلانے کے لیے واشنگٹن گئے اور برق رفتاری سے سارے معاملات طے کیے جس کی تفصیل نیر زیدی اور شاہین صہبائی کے مضامین میں آگئی ہے۔ سارا کھیل امریکہ کو بنیاد پرستی کا ہوا دکھا کر اپنی تائید کے لیے تیار کرنا تھا۔ شاہین صہبائی لکھتا ہے:

امریکہ کو خدشہ ہے کہ نواز کے بعد بنیاد پرست اور "جہادی" حکومت سنبھال لیں گے اور اس صورت میں انھیں کچھ پتا نہیں ہو گا کہ نیوکلیر بٹن پر کس کا ہاتھ ہے Damage Control by Junior Sharif ڈان ۱۰ ستمبر ۱۹۹۹)۔

نواز شریف اور شہباز ہی نہیں' بے نظیر اور دوسرے قائدین حزب اختلاف بھی اپنی اطاعت گزاری کا یقین دلانے کے لیے واشنگٹن کے چکر لگاتے رہے۔ لیکن امریکہ نے اپنا وزن نواز شریف کے پلڑے میں ڈالا اور اسے اپنے مقاصد کے لیے سب سے زیادہ مفید پایا۔

نواز شریف کے محرم راز' آئی ایس آئی کے سربراہ خواجہ ضیا الدین بٹ کا کارنامہ بھی ملاحظہ فرما لیجیے۔ نمایندہ ڈان رقم طراز ہے:

آئی ایس آئی کے سربراہ نے کانگریس کی کلیدی انٹیلی جنس کمیٹی کو پاکستان میں مذہبی انتہاپسندی کے خطرے سے آگاہ کیا۔ کانگریس کے ذرائع نے ڈان کو بتایا کہ آئی ایس آئی کے سربراہ نے انٹیلی جنس کمیٹی کے سامنے جو تصویر پیش کی ہے وہ بڑی پریشان کن اور ڈراؤنی تھی جس سے متاثر ہو کر بہت سے ممبروں نے امریکہ کی پاکستان میں فوجی انقلاب کے خلاف کھلی وارننگ کی حمایت کی ہے۔ ان ذرائع نے کہا کہ بنیادی طور پر امریکہ کو فوجی انقلاب سے پریشانی نہیں ہے لیکن وہ پاکستانی فوج کے بنیاد پرست اسلامی انقلابیوں کے اقتدار سنبھالنے سے خائف ہے۔ سفارتی مبصروں کا کہنا ہے کہ امریکہ فوجی آمریتوں کے ساتھ دنیا بھر میں ٹھیک ٹھاک چلتا رہا ہے لیکن اس وقت تک جب تک کہ وہ امریکہ کے طرف دار رہیں (ڈان' ۲۶ ستمبر ۱۹۹۹)۔

اس پس منظر میں امریکہ کی پاکستانی فوج کے کسی اقدام کے خلاف وارننگ اور ۱۲ اکتوبر کے فوجی ایکشن پر اس کے غم و غصے کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اطلاعات ہیں کہ انھی ملاقاتوں میں امریکہ سے یہ اجازت (clearance) بھی حاصل کر لی گئی تھی کہ جنرل پرویز مشرف کی چھٹی کر دی جائے اور جنرل ضیا الدین کو فوج کی کمان سونپ دی جائے۔

امریکہ کی سیاسی قیادت اب اپنے رویے کی پردہ پوشی کر رہی ہے لیکن اس کا اولیں ردعمل اور دھمکیاں ہی اس کا حقیقی چہرہ ہے۔ کلنٹن' میڈیم البرائٹ' وزارت خارجہ کے ترجمان رابن سب ہی نے بڑے تلخ انداز میں فوجی اقدام کی مخالفت کی اور سول حکومت کی بحالی کے احکام جاری کیے' معاشی اور دوسری پابندیوں کی دھمکیاں دیں اور مغربی اقوام اور دولت مشترکہ کے نمایندوں نے بھی اسی انداز میں بات کی۔ نیویارک ٹائمز نے تو سب سے آگے بڑھ کر اپنے ۱۳ اکتوبر ۹۹ کے اداریے میں نہ صرف اس اقدام کو خطرناک (dangerous) اور خطرے کی گھنٹی (cause of alarm) قرار دیا' بلکہ فرمان جاری کیا کہ:

> امریکہ اور دوسری قوموں کو مطالبہ کرنا چاہیے کہ فوجی جنرل مسٹر شریف کے تحفظ کی ضمانت دیں' ان کو اقتدار پر بحال کریں اور پاکستان میں آزادیوں کا احترام کریں۔

اگر پاکستانی قوم کے پاس نواز حکومت کی پاکستان کے مفادات سے غداری اور امریکہ اور بھارت سے گٹھ جوڑ کا کوئی اور ثبوت نہ ہو تو بھی یہ تمام شواہد صحیح نتائج نکالنے کے لیے کافی تھے۔

آج پاکستانی قوم کے سامنے اصل چیلنج ہی یہ ہے کہ وہ اپنی آزادی' اپنے نظریے اور اپنی قومی سلامتی کا تحفظ اپنے ہاتھوں کرنے کی صلاحیت اور طاقت کی حفاظت کرتی ہے یا محض چند ڈالروں کی خاطر یا بیرونی اقوام کی گیدڑ بھبھکیوں سے مرعوب ہو کر اپنی قسمت آپ بنانے کے اختیار سے دست کش ہو جاتی ہے۔ قوم نے فوجی اقدام کا جس طرح استقبال کیا ہے' وہ یہ امید دلاتا ہے کہ پاکستانی قوم کسی قیمت پر اپنی آزادی اور اپنے نظریے پر سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں۔ فوجی قیادت کا یہ پہلو کہ جنرل مشرف پہلے فوجی سربراہ ہیں جن کی عسکری تربیت امریکہ میں نہیں ہوئی اور جو پاکستانیت کی علامت ہیں' اس اعتماد کو مزید تقویت دیتا ہے۔ لیکن جتنا بیرونی دباؤ ہے اس کی روشنی میں یہ وارننگ دینا بھی ضروری ہے کہ حکمت و دانائی کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹ جانا ہی وقت کا تقاضا اور ملت پاکستان کی آرزو اور عزم ہے۔ امریکہ سے دوستی بجا' لیکن اس کی محکومی کسی قیمت پر گوارا نہیں' اور یہ فیصلہ اب اور آج ہو جانا ہے اور اس پر استقامت کے ساتھ جم جانا ہی آزادی اور عزت کا راستہ ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند لمحے اس امر پر بھی غور کر لیا جائے کہ امریکہ کو "جمہوریت" اور "فوجی

حکومت سے وحشت" کا یہ مروڑ اس شدت سے کیوں اٹھا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں امریکہ کا اپنا ریکارڈ آنکھیں کھول دینے والا ہے۔

یو این او کے چارٹر کا ایک بنیادی اصول بلکہ وہ بنیاد جس پر یہ چارٹر قائم ہے آزاد اور خود مختار (sovereign) ریاستوں کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت ہے۔ یہ ہر ملک اور قوم کا اپنا کام ہے کہ کن اصولوں اور اقدار کے مطابق اپنا سیاسی' معاشی اور تہذیبی نظام قائم کریں۔ دنیا میں نظریات' تہذیب و تمدن' مذاہب اور ثقافت کے اعتبار سے تنوع اور تکثیر (plurality) پائی جاتی ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک اپنے نظریات' اقدار اور اصولوں کے مطابق اپنے معاملات کو طے کرے۔ اس میں بیرونی مداخلت کا کسی کو حق نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ بیرونی مداخلت ہی سامراجیت اور امپریلزم کی بنیاد اور اس کا مظہر ہیں۔ ایک بین الاقوامی قانون کا ماہر تیسری دنیا کے جذبات کا اظہار اس طرح کرتا ہے:

> ایشیا افریقہ کی نئی ریاستوں میں فوجی مداخلت کی غیر مقبولیت کا سبب دو بڑی طاقتوں کا رویہ نہیں ہے۔ ان کی مخالفت دراصل مداخلت کے تصور کے خلاف ہے اس لیے کہ اس میں ریاست کی heirarchy کا اس اصول سے بنیادی تضاد مضمر ہے کہ تمام آزاد ریاستیں قانوناً برابر اور خود مختار ہیں۔ سابق نوآبادیاتی ریاستیں خاص طور پر ایسے ادارے کی مزاحمت کرتی ہیں جو عالمی نظام میں بڑی طاقتوں کو خصوصی حقوق دیتے ہیں۔ بہت سی غیر وابستہ ریاستوں کو مداخلت میں استعماریت اور نئی نوآبادیت کی بو آتی ہے۔
>
> (Adrian Guelke, "Force Intervention and Internal Conflict", in The Use of Force in International Relation ed. by F.S. Northedge, Faber and Feber, London, 1974, p 120

اس اصولی بات کے ساتھ ساتھ امریکہ اور مغربی اقوام کے دوغلے کردار کو بھی سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ انھیں جمہوریت اور بنیادی حقوق اس وقت یاد نہیں آتے جب ان کی منظور نظر اور تابع مہمل حکومتیں جمہوری اقدار کو پامال کرتی ہیں' انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں کرتی ہیں' عوام کی آزادیوں کا گلا گھونٹتی ہیں' اختلاف کو برداشت نہیں کرتیں اور ریاستی قوت کو اپنے ہی لوگوں کے خلاف بے دردی سے استعمال کرتی ہیں۔ لیکن جب کسی علاقے میں امریکہ اور مغربی اقوام کے مفاد پر ضرب پڑتی ہے تو پھر جمہوریت کی محبت جاگ اٹھتی ہے اور فوجی حکومتوں کی مذمت اور ان پر معاشی اور دوسری پابندیوں کی بات شروع ہو جاتی ہے۔

جن لوگوں کی نگاہ عالمی حالات پر ہے وہ جانتے ہیں کہ بیسویں صدی میں فوجی انقلاب برپا کرنے میں خود امریکہ نے کیا کردار ادا کیا ہے۔ ۱۹۱۷ سے پہلے جو ملک آزاد تھے ان میں سے ۱۹ میں اس صدی میں فوجی انقلابات آئے اور جو ۲۸ ریاستیں ۱۹۱۷ اور ۱۹۵۵ کے درمیان آزاد ہوئیں ان میں سے ۱۳ میں فوجی انقلاب

آئے اور ان میں سے بیشتر وہ ہیں جن کے پیچھے امریکہ اور مغربی اقوام تھیں (ملاحظہ ہو: S.E.Finer: The Man on Horseback, London 1968)۔

سی آئی اے کے اعلیٰ افسر مائلز کوپ لینڈ کی کتاب The Game of Nations (نیویارک، ۱۹۶۹) گواہ ہے کہ مشرق وسطیٰ میں شام سے مصر تک فوجی انقلابات میں امریکہ نے کیا کردار ادا کیا اور کس طرح خود امریکی مفکرین نے فوج کو جدید کاری کے عامل (modernising agent) کے طور پر پیش کیا۔ امریکی وزارت دفاع اور سی آئی اے نے باقاعدہ یہ فلسفہ تراشا کہ اشتراکی انقلاب کا مقابلہ کرنے کے لیے "مغرب دوست فوجی انقلابات" لانا ضروری ہے۔ اسی فلسفے کے مطابق تین دہائیوں تک کھل کر فوجی حکمرانوں کی پشت پناہی، مدد اور تکریم ہوتی رہی۔ آج بھی جو جابر بادشاہ یا ظالم حکمران امریکہ کے ہم نوا ہیں ان میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ سارے کیڑے وہیں پائے جاتے ہیں جہاں امریکہ کو اپنے مفاد پر ضرب لگتی نظر آئے۔ شاہ ایران، صدام، حسنی مبارک، سوہارتو، مارکوس اور دسیوں ایسے حکمران برسوں امریکہ کے سہارے براجمان رہے اور جب ان سے کام لے لیا گیا تو وہ آمر اور جمہوریت کے قاتل بن گئے اور امریکہ جمہوریت دوست!

خود پاکستان میں جنرل محمد ایوب کے فوجی انقلاب کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا؟ جنرل یحییٰ کے سلسلے میں تو یہ تاریخی شہادت تک موجود ہے کہ فوج نے ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ کو زمام کار سنبھالی، لیکن امریکہ نے ۲۴ مارچ ہی کو سرکاری طور پر آغا محمد یحییٰ خاں کو نئی ذمہ داری سنبھالنے پر پیشگی مبارک باد دے دی (ملاحظہ ہو: جنرل محمد یحییٰ خاں، شخصیت و کردار، از منیر احمد، تخلیقات، لاہور، ص ۵۹)۔

تشدد، قوت کا استعمال، عدم رواداری اور بنیاد پرستی پر بڑا واویلا ہے لیکن ان سب کے باب میں خود امریکہ کا کردار کیا رہا ہے اور ہے، ایک کھلی کتاب ہے۔ امریکی سیکریٹری آف اسٹیٹ کو سرکاری طور پر کمیٹی برائے اہل کاران خارجہ امور نے جو رپورٹ دی ہے اور جو نئی سفارت کاری کی بنیاد ہے، اس میں صاف لفظوں میں کہا گیا ہے:

> اپنے بین الاقوامی اہداف کے حصول کے لیے ہم نے ایسے آلات کا اسلحہ خانہ (arsenal) تیار کر لیا ہے جو اتنے متنوع ہیں کہ پہلے کبھی نہ تھے۔ ان میں یہ شامل ہیں: روایتی سفارت کاری کے تمام طریقے، بین الاقوامی قانون، خفیہ سرگرمی، سیاسی اقدام، ٹیکنیکل امداد، اقتصادی امداد کی مختلف شکلیں، فوجی امدادی پروگرام، ابلاغی اور نفسیاتی پروگرام، تعلیمی تبادلے، کلچرل پروگرام اور اب حال ہی میں بغاوت کی تحریکوں کے مقابلے کے لیے اقدامات۔ ان میں سے بیشتر سفارت کاری کی پرانی تعریف کی حدود میں نہیں آتے ہیں لیکن اب ان سب کو حکومت امریکہ کے پروگراموں کا حقیقی یا امکانی عنصر سمجھنا چاہیے۔ یہ سب مل کر وہ چیز بنتی ہے جسے نئی سفارت کاری کہا جاتا ہے۔

(Personnel for the New Diplomacy ‘۱۹۶۲’ ص ا-۸)

بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں تمام ہی مغربی اقوام اور خصوصیت سے امریکہ نے دوسرے ممالک میں مداخلت' ناپسندیدہ حکومتوں کو عدم استحکام کا نشانہ بنانے اور دوسری کھلی اور خفیہ سرگرمیوں (covert activities) کے ذریعے اپنی خارجہ پالیسی کو آگے بڑھانے کا کام کیا۔ سینیٹر فرینک چرچ (Senator Frank Church) نے جو سینیٹ کی سلیکٹ کمیٹی برائے انٹیلی جنس کے سربراہ تھے' امریکہ کی خفیہ اور تخریبی سرگرمیوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

جب ہمیں گوئٹے مالا کی حکومت کے بائیں بازو کے رجحانات ناگوار ہوئے' ہم نے اس کا تختہ الٹوا دیا۔ ہم نے انڈونیشیا میں سوئیکارنو کے خلاف خانہ جنگی کا شعلہ بھڑکانے کی کوشش کی۔ جب مصدق نے ایرانی تیل پر برٹش پٹرولیم کی اجارہ داری توڑی تو ہم نے شاہ کو اس کے تخت پر بحال کرنے کے لیے مداخلت کی۔ ہم نے کیوبا میں جلاوطن افراد کی فوج بے آف پگس پر اتارنے کی ناکام کوشش کی تاکہ وہاں انقلاب برپا کیا جا سکے۔ ہم نے لاؤس میں خفیہ جنگ ایک عرصے تک جاری رکھی' میو قبائل اور کرائے کے تھائی فوجیوں نے ہماری طرف سے وہاں جنگ لڑی۔ یہ تمام کام کانگریس کے علم یا اجازت کے بغیر کیے گئے۔ کوئی بیرونی رہنما اتنا ناقابل ذکر یا کوئی ملک اتنا چھوٹا نہ تھا کہ ہماری توجہ سے باہر رہتا۔ ہم نے ایک تباہ کن زہر کانگو ارسال کیا تاکہ لومبا کو ایک ہلاکت آفرین بیماری کا انجکشن لگایا جا سکے۔ ہم نے جمہوریہ ڈومانیکا میں مقامی مخالف عناصر کی پشت پناہی کی' یہ جانتے ہوئے کہ ان کا مقصد ٹروجیلو کو قتل کرنا ہے۔ ویت نام میں ہم نے جس حکومت کے دفاع کا عہد کیا تھا اسی کا تختہ الٹنے کے لیے فوجی بغاوت میں شرکت کی اور جب پرنس ڈیم نے مزاحمت کی تو اس کو اور اس کے بھائی کو انھی جنرلوں نے قتل کر دیا جن کو ہم خود ان کی اپنی مدد اور حمایت دیے ہوئے تھے۔ کئی برسوں تک ہم فیڈرل کاسترو اور کیوبا کے دوسرے رہنماؤں کو قتل کرنے کی بار بار کوشش کرتے رہے۔ یہ منصوبے تین حکومتوں کے دور پر محیط رہے اور ان میں سی آئی اے اور مافیا کے درمیان گہرا تعاون رہا۔ (ملاحظہ کیجیے: The Intelligence Community; History, Organisation and Issues, ed, Tyrus G. Fein, پبلک ڈاکومنٹ سیریز' نیویارک ۱۹۷۷ میں فرینک چرچ کا لکھا ہوا ابتدائیہ' ص ۱۰-۱۱)

امریکہ کے ایسے شان دار اور جمہوریت نواز کارناموں کا اس کے اپنے ذمہ دار افراد کی زبانی یہ ریکارڈ امریکہ کی اس تمام مہم کے جواب کے لیے کافی ہے جو جہادی تحریکوں کے خلاف تشدد کے نام پر آج وہ کر رہا ہے اور جس کی لے میں لے نواز شریف اور بے نظیر سمیت بہت سے مسلمان اور عرب سیاست کار بھی ملا رہے ہیں۔

اتنی نہ بڑھا پاکیِ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بندِ قبا دیکھ

مائلز کوپ لینڈ اپنی ایک دوسری کتاب میں صاف الفاظ میں اعتراف کرتا ہے کہ امریکہ کی یہ سرگرمیاں صرف ویت نام ہی میں نہیں بلکہ عرب دنیا، برعظیم پاکستان اور بھارت اور افریقہ اور لاطینی امریکہ گویا ساری دنیا پر محیط ہیں۔

> خفیہ جنگ کے سی آئی اے کے ماہرین نے تیسری دنیا پر خاص توجہ دی۔ صرف ویت نام نہیں بلکہ عرب اسرائیل تنازع، بھارت پاکستان تنازع، افریقہ اور یورپ میں نسلی جھگڑے اور جنوبی امریکہ کے بعض حصوں میں ماؤ کے اثرات (ملاحظہ ہو: Without Cloak or Dagger: The Truth About the New Espionage نیویارک ۱۹۷۴، ص ۲۰۵-۲۰۶)

امریکہ کا یہ ریکارڈ بڑا گھناؤنا ہے اور ایک پوری صدی پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کا ایک تازہ ترین جائزہ نیویارک یونی ورسٹی کے مشہور عالم پروفیسر نوم چومسکی (Noam Choumsky) نے اپنی ایک مختصر کتاب The Umbrella of U.S Power مطبوعہ نیویارک ۱۹۹۹ میں کیا ہے، جو پڑھنے کے لائق ہے۔ اور تازہ ترین معلومات بحوالہ واشنگٹن پوسٹ ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۹ یہ ہیں کہ نام نہاد سرد جنگ کے زمانے میں اس امریکہ نے جو آج نیوکلیر عدم پھیلاؤ کے نام پر پاکستان کی ایٹمی صلاحیت ختم کرنے پر تلا ہوا ہے اور جس نے ایٹمی تجربے کے باوجود بھارت پر سے اقتصادی پابندیاں اٹھا لی ہیں اور پاکستان پر جاری رکھی ہیں، دنیا کے پندرہ ممالک میں خفیہ طور پر ہزاروں ایٹمی ہتھیار استعمال کے لیے نصب کر رکھے تھے۔

امریکہ اور مغربی اقوام کی ان خون آشام شرانگیزیوں، سازشوں اور سرگرمیوں کا مقابلہ اللہ پر بھروسہ اور عوام اور صرف عوام کو اعتماد میں لے کر اور قوم کو بیدار کر کے ہی کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے ملک میں جمہوری تجربات ناکام رہے ہیں اور مارشل لا کے تجربات بھی اس سے کچھ مختلف نہیں رہے۔ حالات کو سدھارنے کے نام پر فوجی قیادتوں نے اس سے پہلے تین بار اقدام کیا اور یہ تینوں تجربے، حالات کو سدھارنے میں ناکام رہے۔ جنرل ایوب نے معاشی ترقی کا نعرہ دیا اور سرمایہ دارانہ لبرلزم کی بنیاد پر ملک کو جدیدیت (modernisation) کی سان پر چڑھا دیا۔ نتیجتاً آمرانہ حکومت، آزادیوں کی تحدید، معاشی ناہمواریوں میں اضافہ اور علاقائی منافرتوں کا طوفان امنڈ پڑا جس کے آگے ان کی مضبوط کرسی نہ ٹھہر سکی۔ انھوں نے خود اپنے بنائے ہوئے دستور کے مطابق اقتدار، اسمبلی کے اسپیکر کے بجائے جنرل یحییٰ کو سونپ دیا جو فوج کے کمانڈر ان چیف تھے اور حصول اقتدار کے لیے سخت بے چین تھے۔ جنرل یحییٰ کا دور پاکستان کے دو لخت ہونے پر ایک اندوہناک انجام کو پہنچا۔ بھٹو صاحب نے بھی مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے اپنے

اقتدار کا آغاز کیا اور ۱۹۷۳ء کے دستور کے باوجود اپنے دور اقتدار میں ایمرجنسی کے سہارے حکومت کی۔ ان کو بھی اپنی کرسی کے مضبوط ہونے کا بہت زعم تھا مگر جلد ہی دنیا نے دیکھا کہ اس کرسی سے زیادہ کمزور شے اور کوئی نہ تھی۔ جنرل ضیاء الحق بہ ظاہر ایک عوامی احتجاجی تحریک کے پس منظر میں ۹۰ دن میں انتخاب کرانے کے دعوے کے ساتھ برسراقتدار آئے۔ انھوں نے ایوب صاحب کی لبرل سرمایہ داری اور بھٹو صاحب کے سوشلزم کے مقابلے میں اسلام کا نام لیا لیکن یہ تینوں تجربے بڑے تلخ ثابت ہوئے اور حالات کو سدھارنے میں ناکام رہے اور بالآخر عوامی احتجاج کے آگے سرنگوں ہو گئے۔

ان ناکامیوں کی اصل وجہ یہ ہے کہ فوجی اقدام سے کسی فوری خطرے کو تو نمٹایا جا سکتا ہے مگر اجتماعی زندگی کے گھمبیر مسائل کو فوج کسی مختصر راستے (short-cut) کے ذریعے حل نہیں کر سکتی۔ فوج کی تربیت اور تیاری خاص مقاصد کے لیے ہوتی ہے اور خاص نوعیت کی مہارت ان میں پیدا ہوتی ہے جو میدان جنگ کے لیے کار آمد اور عام زندگی کے مسائل کو حل کرنے میں غیر موثر ہوتی ہے۔ فوج کا ڈسپلن جو اس کا بہترین سرمایہ ہے سول زندگی میں وہ کار فرمائی نہیں دکھا سکتا اور جو چیز میدان جنگ قوت کا سرچشمہ ہے وہی ایک جمہوری شورائی عمل میں انمل بے جوڑ ثابت ہوتا ہے۔ پھر اگر خدانخواستہ فوج کو بھی اقتدار کا چسکا لگ جائے، وہ بدعنوانی میں مبتلا ہو جائے اور سیاسی تنازعات میں گھر کر متنازع بن جائے تو وہ دفاع کی عظیم ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لائق نہیں رہتی۔ فوج کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ قومی فوج ہو اور غیر متنازع ہو، سب اس کی طرف امید سے دیکھیں، اس پر اعتماد کریں اور اس کے لیے دعاگو ہوں۔ اگر وہ بھی سیاسی جنبہ داری کا شکار ہو جائے تو پھر ملک کی آزادی اور سلامتی کا دفاع کون کرے گا۔ آج کے معاشرے کے مسائل خاص نوعیت کی تیاری اور تعلیم، مہارت اور نگاہ اور، مشورہ، جواب دہی اور احتساب مسلسل کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس کے لیے مطلوبہ اصول حکمرانی کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ ان کا تعلق فوج کی کتاب عمل سے نہیں۔ یہی وجہ ہے اس صدی میں ۸۰، ۹۰ تجربات فوجی حکومت کے ہو چکے ہیں لیکن سیاست اور معیشت کے مسائل کو حل کرنے میں کوئی بھی کامیاب نہیں ہو سکا اور تقریباً ہر ایک ہی کے خلاف بالآخر عوامی ردعمل رونما ہوا۔ ایک مشہور مورخ اور ماہر عمرانیات لوئس ممفورڈ (Lewis Mumford) اپنی مشہور زمانہ تاریخ تہذیب کی آخری جلد The Condition of Man میں بڑے لطیف انداز میں کہتا ہے کہ

> سیاسی معاشرہ ایک ایسے کیبل (cable) کی مانند ہے جو بہت سے تاروں سے بنا ہوا ہے۔ ان مختلف تاروں کے آپس میں گتھم گتھا ہونے سے صرف اس کی طاقت ہی نہیں اس کی لچک میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیبل اپنی فطرت میں پیچیدہ ہے اور سیاسی گانٹھیں جو ہر لمحہ کھولے جانے کا مطالبہ کرتی رہتی ہیں اس کو اور زیادہ گھمبیر کر دیتی ہیں۔ لیکن اچھی اور درست سیاست کا ایک اساسی اصول ہے جس کی حفاظت اور احترام ہر حال میں ضروری ہے، یعنی سیاسیات کی گتھی کو کھولنے کے لیے تنگی

تلوار استعمال کرنے کی راہ کبھی اختیار نہیں کرنا چاہیے اور سکندر کا قوت کے استعمال کا یہ حربہ ایک قابل تقلید مثال ہرگز نہیں۔ کوئی بھی احمق مارشل لا کے ذریعے سیاسی طاقت کا مسئلہ حل کرنے کا مدعی ہو سکتا ہے لیکن کوئی احمق ہی اس عمل کو کار حکمرانی سمجھنے کی غلطی کرے گا (ص ۱۷۵)۔

ہم اس بات کا اظہار فوجی قیادت کے ساتھ ہمدردی اور احترام کے جذبے کے تحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ مسائل کا حل مارشل لا اور لمبے عرصے کے لیے سیاست میں فوج کی شرکت اور مداخلت نہیں۔ اس وقت گاڑی پٹڑی سے اتر گئی ہے اور جمہوریت کے نام نہاد دوستوں کی خود غرضی' نااہلی اور حماقت کے نتیجے میں اتری ہے۔ آپ اسے دوبارہ پٹڑی پر چڑھا دیں اور پھر اس گاڑی کو اپنے نظام کار کے تحت ہی چلنے دیں۔ اسی میں قوم و ملک کی فلاح ہے اور اسی میں فوج کی بہتری اور نیک نامی۔

لیکن اس گاڑی کو پٹڑی پر چڑھانے کے لیے فوری طور پر چار اقدامات ضروری ہیں:

۱- **بے لاگ' ہمہ گیر اور شفاف احتساب:** یہ ایک طرف انصاف کے اسلامی تقاضوں کو پورا کرے اور تو دوسری طرف اس کی گرفت سے قوم کو لوٹنے والوں میں سے بلاامتیاز کوئی بھی بچ نہ سکے۔ اس احتساب کو اوپر سے شروع ہونا چاہیے اور اس کے دائرے میں سیاست دان' بیورو کریٹس' فوج' پولیس' انتظامیہ' عدلیہ' ارباب تجارت و حرفت اور علما سب کو آنا چاہیے۔ اس کے لیے فوری طور پر ایک آزاد اور بااختیار مشینری کا قیام ضروری ہے جو سپریم کورٹ کے ان سابق ججوں پر مشتمل ہو جن کی دیانت و امانت پر سب کو اعتماد ہو۔ انھیں اپنا ضابطہ کار بنانے کا خود اختیار دیا جائے اور ان کو ضروری مالی وسائل اور ایمان دار عملہ فراہم کیا جائے جو تفتیش (investigate) اور استغاثہ (prosecution) کا کام اپنے آزاد عملے سے لیں اور پھر ایک متعین وقت میں مدعا علیہ کو دفاع کا موقع دے کر معاملات کو طے کردیں۔ روایتی قانونی عمل بڑا وقت طلب اور مجرم کے لیے نرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں اگر احتساب کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھایا بھی گیا تو وہ بار آور نہ ہو سکا۔ اگر صحیح افراد کے ذریعے اس کا فوری آغاز کر دیا جائے تو یہ کام چند مہینے میں اپنے مطلوبہ نتائج نکال سکتا ہے۔ اس میں اسلام کے اس اصول پر بھی عمل ہو سکتا ہے کہ جو شخص اپنے معلوم ذرائع کی سطح سے اونچا طرز زندگی اختیار کرے۔ اسے مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے ذرائع آمدنی ثابت کرے' یعنی مدعی نہیں بلکہ مدعا علیہ پر بار ثبوت ہو۔ دنیا کے دوسرے تجربات بھی سامنے رکھے جا سکتے ہیں لیکن یہ کام اولیں اہمیت کا حامل ہے۔

۲- **معیشت کو دلدل سے نکالنا:** اس میں اگر ایک طرف بدعنوانی اور کرپشن پر قابو پانا ضروری ہے تو دوسری طرف ایک نئی حکمت عملی کی ضرورت ہے جو ملک کے عام آدمی کو معاشی جدوجہد میں شرکت کا موقع دے' ملک کے اپنے وسائل سے ترقی کی راہ ہموار کی جا سکے اور بیرونی قرضوں پر انحصار کو بتدریج ختم

کر کے خود انحصاری کی بنیاد پر معیشت کی تشکیل نو ہو سکے۔ اگر ہم قرضوں کی معیشت کے اس گھن چکر کو ہمت کر کے ایک بار توڑ نہیں دیتے تو ہم کبھی بھی اس غلامی سے نجات نہیں پا سکتے۔ یہ فیصلے کا لمحہ ہے اور سخت عزم کے ساتھ فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی معیشت کو مغربی ساہوکاروں کا غلام نہیں بننے دیں گے۔ سودی نظام سے بھی چھٹکارا ضروری ہے اور قرضوں پر مبنی معاشی حکمت عملی کو بھی خیرباد کہنے کا وقت آگیا ہے۔ اس ملک کو اللہ تعالیٰ نے وہ انسانی اور مادی وسائل دیے ہیں جن کے بل بوتے پر ہم اپنی معیشت کو نہایت مضبوط اور ترقی یافتہ بنا سکتے ہیں لیکن اس کے لیے نئی حکمت عملی' عوام پر اعتماد' حقائق کے بارے میں سچائی اور صداقت' کفایت شعاری اور محنت' وسائل کے اندر زندگی گزارنے کا جذبہ اور داعیہ اور قیادت کی اچھی مثال درکار ہے۔ آج جس مقام پر ہم ہیں اگر اس پر بھی یہ کڑا فیصلہ نہیں کرتے تو یہ بہت بڑا سانحہ ہو گا۔

۳- **قومی سلامتی اور خارجہ پالیسی کے معاملے میں' بشمول کشمیر' مکمل یکسوئی :** پاکستان کا نظریاتی اور طبعی وجود کشمیر کے بغیر نامکمل ہے۔ ہمیں تحریک آزادی کشمیر کی ہر قیمت پر مدد کرنی اور اسے کامیابی سے ہم کنار کرانا ہے۔ اس سلسلے میں بھارت سے دوستی کی حدود بالکل واضح ہو جانی چاہییں۔ کوئی تجارت' کوئی دوستی کشمیر کے مسئلے کے منصفانہ بنیادوں' اقوام متحدہ کی قراردادوں اور کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق حل کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ ایک قومی موقف ہے اور اس سے سرمو انحراف کا کسی کو حق نہیں۔ اس موقف پر قائم رہنے کے لیے جہاں معاشی استحکام ضروری ہے وہیں دفاعی صلاحیت کا تحفظ اور ترقی بھی ازبس ضروری ہیں۔ نیوکلیر پروگرام پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ ہم خود ایک ذمہ دار ملک کی حیثیت سے اپنی نیوکلیر صلاحیت کا استعمال کریں گے لیکن امریکہ یا کسی اور کو ہمیں ڈکٹیٹ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ امریکہ خود اپنے سینیٹ سے سی ٹی بی ٹی کی توثیق نہیں کرا سکا۔ وہ ہم سے کس منہ سے مطالبہ کرتا ہے۔ بھارت نے جو مظالم کشمیر میں روا رکھے ہیں اور جس طرح اس کی قیادت نے انتخابات کے دوران پاکستان کو ایک دشمن ملک اور پاکستان کی فوج کو ایک غنڈا فوج کے طور پر پیش کیا ہے اس نے تعلقات کو مزید کشیدہ کر دیا ہے۔ جموں اور کشمیر کے عوام نے حالیہ انتخابات کا بائیکاٹ کر کے عملاً بھارت کے خلاف استصواب منعقد کر ڈالا ہے۔ بھارت جب تک وہاں مظالم ڈھا رہا ہے اور تحریک آزادی کو ننگی طاقت کے ذریعے کچل رہا ہے' اس سے دوستی کا تصور نظریہ پاکستان اور شہدائے کشمیر سے بے وفائی ہے۔ یہ ہماری قومی سلامتی پالیسی اور خارجہ پالیسی کے ناقابل تغیر نکات (constants) ہیں۔ ان پر مضبوطی سے ڈٹ جانے ہی میں ہماری سلامتی کا راز مضمر ہے۔

۴- **انتخابی نظام اور انتخابی مشینری کی اصلاح :** یہ وہ کانٹے کی بات ہے جس پر نئے نظام کی طرف مراجعت کا انحصار ہے۔ اگر انتخابی نظام کی اصلاح نہیں ہوتی تو جس طرح گذشتہ بارہ سال میں ہونے

والے چار انتخابات ملک کو صحیح قیادت نہیں دے سکے اسی طرح پانچویں انتخابات بھی نہیں دے سکتے۔ احتساب کے ذریعے گند کو چھانٹنا' ووٹروں کی فہرستوں کی تصحیح' ووٹروں کے لیے شناختی کارڈ کی پابندی' امیدواروں کے لیے انتخابی اخراجات کے سلسلے میں حقیقی حدود کا تعین اور ان کا نفاذ' آزاد انتخابی کمیشن کا قیام' امیدواروں کے لیے دستور کی دفعہ ۶۲ اور ۶۳ کی چھلنی کا عملی نفاذ' قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں میں اضافہ اور متناسب نمایندگی کے اصول کے مطابق' تمام یا کم از کم نصف نشستوں کا انتخاب' وہ چیزیں ہیں جن سے اس نظام کی حقیقی اصلاح کی جا سکتی ہے۔ تب ہی توقع کی جا سکتی ہے کہ ایک نئی صاف ستھری قیادت عوام میں سے ابھرے گی جو باگ ڈور سنبھال کر ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کر سکے گی۔

قوم کے سامنے ایک بڑا گھمبیر ایجنڈا ہے۔ جنرل پرویز مشرف نے اپنی پالیسی تقریر میں جو ے نکات دیے ہیں وہ سب اہم ہیں لیکن ان کو اور ان کی ٹیم کو مندرجہ بالا چار نکات کو اولین اہمیت دینی چاہیے۔ وہ سارے کام نہیں کر سکتے' اگر ان چار اقدامات کے ذریعے وہ ملک کو صاف ستھری جمہوریت کی طرف بڑھنے کے لائق بنا دیتے ہیں تو یہ ایک تاریخی کارنامہ ہو گا۔ اگر وہ بے شمار چیزوں میں الجھ گئے اور ان بنیادی امور کا حق ادا نہ کر سکے تو' نیک خواہشات کے باوجود' نہ وہ قوم کو اس دلدل سے نکال سکیں گے اور نہ خود ہی اس سے نکل سکیں گے۔

ان کی پالیسی تقریر بڑی متوازن اور امید افزا تھی لیکن اس میں دو باتوں کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ ایک انتخابی مشینری اور نظام کی بات اور دوسرے معیشت کو قرضوں کی غلامی سے نکال کر خود انحصاری کے راستے پر ڈالنے کا عزم۔ ہمیں توقع ہے کہ وہ اور ان کی ٹیم ان دونوں پہلوؤں پر خصوصی توجہ دیں گے۔

ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ فوجی قیادت کا پہلا قدم جس کے ذریعے اس نے نواز حکومت کو برطرف کیا اور ایک عبوری نظام قائم کیا اور جنرل پرویز مشرف کی پہلی پالیسی تقریر جس میں نئی ترجیحات اور اہداف کا اعلان کیا' وہ صحیح سمت میں مثبت اقدام ہیں اور قوم کی آرزوؤں سے ہم آہنگ ہیں۔ اب تک اس اقدام اور ان وعدوں کے بعد نئی فوجی قیادت نے جہاں ایک عظیم تاریخی ذمہ داری اٹھائی ہے' وہیں وہ بڑی آزمایش اور امتحان میں مبتلا ہے۔ فوجی قیادت کو صرف اس کے اقوال کی بنیاد پر نہیں جانچا جائے گا' اصل امتحان عمل میں ہے۔ سب سے پہلا امتحان یہ ہے کہ آپ ان مقاصد کے حصول کے لیے کیسی ٹیم منتخب کرتے ہیں اور اسے کہاں تک قوم کا اعتماد حاصل ہوتا ہے۔ پھر یہ ٹیم کس طرح اس سمت میں آگے بڑھتی ہے جسے آپ نے اختیار کیا ہے۔ وہ کہاں تک قوم کو ساتھ لے کر چلتی ہے اور کتنی جلد ایک ایسا معقول انتظام کر دیتی ہے کہ ظالم اور فاسد قیادت کیفرکردار کو پہنچے اور نئی صاف ستھری قیادت قوم کی رہنمائی کے

لیے بروئے کار آسکے۔ "عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی" اور اب آپ کے عمل ہی کو دیکھا جائے گا اور اسی کسوٹی پر آپ کی کارکردگی کو جانچا جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اپنی اپنی رعیت کے بارے میں بازپرس ہو گی۔ یہ جواب دہی دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔ اگر ہم اپنی رعیت کا حق ادا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ بڑی کامیابی ہے اور اگر ہم اس میں ناکام ہوتے ہیں تو بلاشبہ ہمیں اس کی بڑی کڑی جواب دہی کرنا ہو گی۔

جنرل پرویز مشرف نے اپنی پالیسی تقریر سے قبل جس آیت کریمہ کو تلاوت کے لیے منتخب کیا اور آخر میں جو دعا کی وہ بڑی اہم ہے اور ایک حیثیت سے اللہ اور ملت اسلامیہ پاکستان سے ایک عہد اور میثاق کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس آیت کو گواہ بنایا گیا ہے، وہ یہ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ م بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (المائدہ ۵:۸) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

اور اس دل آویز دعا پر انھوں نے بات کو ختم کیا:

یااللہ! میں اپنی قوم سے دیانت داری، ایمان داری، عزت اور وفاداری کا وعدہ کرتا ہوں۔

یااللہ! مجھے سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے کی بصیرت عطا کر، مسائل و مشکلات کو سمجھنے اور ان کے مناسب حل کی ہمت، صلاحیت اور طاقت عطا فرما۔

یااللہ! مجھے عدل و انصاف قائم کرنے کا حوصلہ اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

ہم اس دعا پر دل کی گہرائیوں سے آمین کہتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ پوری قوم اس پر آمین کہتی ہے۔

ہم اپنی ان گزارشات کو مندرجہ بالا آیت کریمہ اور اس دل آویز دعا کے ساتھ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات پر ختم کرتے ہیں جو خود ہمارے لیے پوری قوم کے لیے، اور نئی قیادت کے لیے روشنی کا مینار ہیں، اور دلوں کو بیدار اور عزائم کو مسلسل مہمیز دینے کا ذریعہ بھی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (النساء ۴:...

۵۹) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمھارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا لا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ط (النساء ۴: ۵۸) مسلمانو، اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ص وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ص وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (الشوریٰ ۴۲: ۳۸) (مسلمان وہ ہیں) جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں، ہم نے جو کچھ بھی رزق انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (الحج ۲۲:۴۱) یہ لوگ وہ ہیں جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ ○ مَالَا تَفْعَلُوْنَ - كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ○ (الصف ۶۱: ۲-۳) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔

آج پوری قوم ایک دوراہے پر کھڑی ہے۔ آج بھی اگر ہم صحیح سمت میں سفر کا آغاز کر دیں تو اصل منزل کی طرف پیش قدمی کر سکتے ہیں اور ایک تابناک مستقبل تعمیر کر سکتے ہیں اور اگر آج ہم نے یہ موقع ضائع کر دیا تو پھر شاید ہمیں اس کی تلافی کا موقع نہ ملے۔

اشارات کے انگریزی ترجمے کے لیے دیکھیے : www.jamaat.org

کلام نبویؐ کی کرنیں

مولانا عبدالمالک

حضرت عقبہؓ بن عامر سے روایت ہے: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا' میں نے گفتگو کی ابتدا کی' آپؐ کا ہاتھ پکڑا اور عرض کیا: مومن کی نجات کا سامان کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: عقبہ! اپنی زبان پر قابو رکھو' تیرا گھر تیرے لیے کشادہ ہو (یعنی گھر میں دل لگاؤ' تنگ ہو کر باہر نہ پھرو) اور اپنی خطاؤں پر رویا کرو۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے' تو آپؐ نے گفتگو میں پہل فرمائی۔ میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: عقبہ! میں تمھیں تورات' انجیل' زبور اور قرآن میں نازل ہونے والی تمام سورتوں سے افضل تین سورتیں نہ بتلاؤں؟

میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ' ضرور بتلایئے!

کہتے ہیں کہ پھر آپؐ نے مجھے تین سورتیں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ' قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھائیں۔ پھر فرمایا: عقبہ! انھیں نہیں بھولنا اور کسی رات کو انھیں پڑھے بغیر نہ سونا۔

حضرت عقبہؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں انھیں نہیں بھولا' اور میں نے ان کو پڑھے بغیر کوئی رات نہیں گزاری۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور میں نے ابتدا کی۔ میں نے آپؐ کا ہاتھ پکڑا اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ مجھے وہ اعمال بتلایئے جو فضیلت رکھتے ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: عقبہ! جڑو اس سے جو تجھ سے کٹے' دو اسے جو تجھے محروم کرے' معاف کرو اسے جو تجھ پر ظلم کرے (مسند احمد)۔

بعض وقت ایک ہی حدیث میں رشد و ہدایت کا اتنا سامان مل جاتا ہے' اور اتنی اہم اور عملی باتوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ بے اختیار زبان پر درود کے کلمات جاری ہو جاتے ہیں: اللھم صل وسلم علی محمد وبارک وسلم۔ بلاشبہ اللہ کے رسولؐ نے ہمیں ہدایت پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی!

کاش ہمارے اندر حضرت عقبہؓ جیسا جذبہ ہو' ایک دفعہ سورہ اخلاص اور معوذتین کے بارے میں رسولؐ کی نصیحت علم میں آئے' تو کوئی رات انھیں پڑھے بغیر نہ گزاریں' اور اس کی برکات سمیٹیں۔ اصل چیز تو عمل ہے' حدیث کا صرف پڑھ لینا ہی کافی نہیں۔ یہ کیا' کتنی ہی آسان قابل عمل باتیں ہم صرف سن کر یا پڑھ کر رہ جاتے ہیں۔

خطاؤں پر معافی مانگ رہے ہوں' توبہ کر رہے ہوں اور آنکھیں خشک ہوں' بلکہ دل ودماغ کو علم ہی نہ ہو کہ معافی مانگ رہے ہیں' وہ کسی اور طرف متوجہ ہوں--- اس پر معافی کیسے ملے؟ رونا چاہیے' گڑگڑانا چاہیے' تب ہی انسان بار بار گناہوں پر جری نہ ہو گا۔

گھر میں دل لگاؤ کی نصیحت' اس سوال کے جواب میں کہ مومن کی نجات کا سامان کیا ہے' معانی کی ایک دنیا سامنے لاتی ہے۔ صاحب ایمان کے لیے گھر میں دل لگانے کا کیا مطلب ہے؟ یقیناً خوش وقتی' ہنسی مذاق' کھانا پینا' سیرو تفریح بھی مقصود ہے لیکن دراصل اس پر توجہ اور وقت دینا--- دل لگانا کہ خود اور اہل و عیال آگ سے بچیں (قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا)۔

سب سے اہم بات' سب سے پہلے' کہ اپنی زبان پر قابو رکھو۔

آخری تین باتیں: جو کٹے اس سے جڑنا' جو محروم کرے اسے دینا' جو زیادتی کرے اسے معاف کرنا--- جو اس پر قادر ہو' اس کی عظمت میں کیا کلام ہے۔

○

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے کہ آپؐ کے پاس فرشتے آئے۔ ان میں سے بعض نے دوسروں سے کہا کہ تمھارے دوست کی ایک مثال ہے۔ وہ ان کے سامنے پیش کرو۔ اس پر دوسروں نے کہا کہ وہ تو سوئے ہوئے ہیں؟ انھوں نے جواباً کہا' کہ ان کی آنکھ سوئی ہوئی ہے لیکن دل بیدار ہے۔

تب انھوں نے کہا: اس کی مثال اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر بنایا ہو' اس میں دستر خوان بچھایا ہو اور پھر ایک دعوت دینے والا بھیجا ہو۔ جس نے دعوت دینے والے کی دعوت قبول کی وہ گھر میں داخل ہو گا اور دسترخوان سے کھائے گا۔ اور جس نے داعی کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ گھر میں داخل نہ ہو گا اور دستر خوان سے نہ کھائے گا۔

پھر بعض نے کہا کہ اس مثال کی تشریح کرو تاکہ یہ اسے اچھی طرح سمجھ جائیں۔ اس پر دوسروں نے کہا کہ وہ تو سوئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ آنکھ سوئی ہوئی ہے لیکن دل بیدار ہے۔

(تب تشریح کرتے ہوئے) فرشتوں نے کہا: "گھر" تو جنت ہے اور داعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ایمان اور کفر میں) جدائی ڈالنے والے

ہیں (بخاری)۔

- جنت اس دسترخوان کی محسوس شکل ہے جس کی طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں دعوت دے رہے ہیں' وہ کتاب و سنت اور اسلام کی طرف دعوت ہے۔ پس جس نے دنیا میں اس دسترخوان سے ایمان اور علم و عمل کی غذا حاصل کی' اسے آخرت میں جنت کا دسترخوان نصیب ہو گا' اور جس نے یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا وہ وہاں جنت میں داخل ہو گا' اور جس نے یہاں نافرمانی کی وہ وہاں جنت میں داخلے سے محروم ہو گا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا بچھایا ہوا دسترخوان مدار اجتماع و افتراق ہے۔ جو اس دسترخوان پر آگیا وہ ایک طرف' ایک امت' اور جو نہ آیا وہ دوسری طرف۔ آپؐ اور آپؐ کا نظام لوگوں کو اس طرح جمع کرتے ہیں' جس طرح ایک دسترخوان پر لوگ جمع ہوتے ہیں۔

اس رشتے سے منسلک ہونے کے بعد زبان' رنگ' نسب' وطن اور مسلک ان میں افتراق و انتشار پیدا نہیں کر سکتے۔ اگر یہ عناصر مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کریں تو اس بات کی نشانی ہے کہ دامن مصطفیٰؐ اور نظام مصطفیٰؐ سے وابستگی [illegible] کے لیے دامن مصطفیٰؐ اور نظام مصطفیٰؐ سے شعوری عشق و محبت [illegible]

[illegible]

[illegible]

اہل ایمان کی خدمت کرنا' انھیں راحت پہنچانا' انھیں سکھ دینا' ان کی عزت رکھنا دراصل اپنی خدمت ہے۔ اللہ اپنے بندوں کی مدد کرنے والوں کی مدد کرتا ہے' اس پر یقین ہو۔ یہ چیز اسلامی معاشرے میں پھیل جائے تو پھر دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی ایک مسلمان کو بھی تکلیف پہنچے تو دنیا بھر کے مسلمانوں کو تکلیف پہنچے اور دنیا بھر کے مسلمان اس کی مدد کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ آزادی' اور ظلم سے نجات کی کوئی تحریک بے یارومددگار نہ ہو کہ ان کی مدد سے پیچھے ہٹنا' اپنے آپ کو اللہ کی مدد سے محروم کرنا ہے۔ ان کی آزادی کی تحریک میں تعاون نہ کرنا' اپنے آپ کو غلامی کے منہ میں دھکیلتا ہے۔

جنت کے راستے پر چلنا اور نیک عمل کرنا' اس وقت آسان ہوتا ہے جب آدمی کے پاس علم ہو۔ علم کے بغیر عمل میں آسانی نہیں پیدا ہوتی۔ صحیح علم' عمل کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور اگر عمل نہ ہو تو اس بات کی دلیل ہے کہ علم برائے نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علماے یہود کو جاہل اور سفہا کہا ہے۔

یہاں جو بھی حرکت ہے وہ علم و عمل کی ہے' نام ونسب کی نہیں۔ اس لیے کوئی شخص علم و عمل میں پیچھے ہو تو اس کا نسب' روپیہ پیسہ' جایداد اور جاگیر اسے آگے نہیں کرسکتے۔ اللہ کے ہاں فیصلے بندگی کی بنیاد پر ہوتے ہیں' نسب کی بنیاد پر نہیں۔

○

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بیٹھے تھے۔ آپؐ نے پوچھا: اسلام کا کون سا کڑا زیادہ مضبوط ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا: نماز۔ آپؐ نے فرمایا: نماز ایک حسنہ ہے لیکن یہ وہ چیز نہیں ہے جو میں پوچھ رہا ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا: زکوٰۃ۔ آپؐ نے فرمایا: زکوٰۃ ایک حسنہ ہے' لیکن یہ وہ چیز نہیں ہے جو میں پوچھ رہا ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا: رمضان کے روزے۔ آپؐ نے فرمایا: روزہ حسنہ ہے لیکن یہ وہ چیز نہیں ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: حج۔ آپؐ نے فرمایا: حج اچھی چیز ہے لیکن یہ وہ چیز نہیں ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: جہاد۔ آپؐ نے فرمایا: ایمان کا سب سے مضبوط کڑا' اللہ کی خاطر محبت کرنا اور اس کی خاطر ناراض ہونا ہے (مسند احمد)۔

کتنے موثر انداز سے اللہ کے رسولؐ نے ہم پر باہمی تعلقات میں اخلاص کی اہمیت واضح کی ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو نماز' روزہ' زکوٰۃ اور جہاد کے فرائض تو ادا کرتے ہیں لیکن آپس کے تعلقات مفادات کی بنیاد پر قائم کرتے ہیں۔ اگر محبت اور ناراضی' صرف اور صرف اللہ کے لیے ہو' تو معاشرے سے کتنی ہی' بلکہ سب ہی برائیوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ حق غصب کرنا' ناجائز مال حاصل کرنا' ظلم کرنا' اللہ کی خاطر تو نہیں ہو سکتے! تعلقات اللہ کے لیے ہوں تو پھر برے آدمیوں کا ساتھ نہیں دیا جاتا' معاشرے میں صالح افراد کو قیادت حاصل ہوتی ہے' برے پہلی صف میں نہیں ہوتے۔ اس لیے' حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کو اسلام کا سب سے مضبوط کڑا قرار دیا گیا اور ایک کے بعد ایک سوال کر کے' آپؐ نے اس کی اہمیت نماز' روزہ حتیٰ کہ جہاد تک کے مقابلے میں واضح کی۔

دل کی بیماریوں کا علاج

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ°

جو معاملات قرآن کریم کی روشنی میں جائز نظر نہ آئیں وہ بے سود اور لاحاصل ہیں۔ اور وہ خواہشیں جن کو نبوت کی سند جواز حاصل نہ ہو' وہ محض باطل ہیں۔ اور وہ طریقے جو دین کے راستے سے مختلف ہیں' وہ مطلق ضلالت اور گمراہی ہیں۔ اور وہ کوششیں جو دین کی راہنمائی کے سوا ہوں' وہ مردود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ اَدْخَلَ فِیْ دِیْنِنَا مَا لَیْسَ مِنَّا فَھُوَ مَرْدُوْدٌ' جس نے ہمارے دین میں وہ بات داخل کی جس کا ثبوت ہم سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

خلوص اور تعلق بالقرآن

تمھارے معاملات میں جب تک خلوص نہ ہو قرآن کریم کی رو سے وہ قابل قبول نہیں ہیں۔ خلوص کا مقام درد بھرا دل ہے۔ اور جہاں کہیں اخلاص کی خوشبو پائی جاتی ہے قرآن کریم خوش خبری دیتا ہے' خواہ وہ جنات کے حق میں ہو یا انسان کے۔ چنانچہ سورہ الجن میں فرمایا:

فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ○ یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ط (۷۲:۱-۲) انھوں نے کہا ہم نے قرآن کو سنا عجیب کلام ہے جو سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے اور ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔

وہ لوگ جو طالبان حق ہیں ان کے زخمی دل کا مرہم قرآن ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ لا (بنی اسرائیل ۱۷:۸۲)

اور ہم قرآن سے وہ انوار نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے شفا اور رحمت ہے۔

سالکان دین کا رہبر قرآن پاک ہی ہے۔ کیونکہ فرمایا: یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ (الجن ۷۲:۲) یعنی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ اور جب کسی کو قرآن کی رہبری حاصل ہو گئی تو اگر کوہ قاف بھی اس کے سینے کا پیوند ہو تو جھکنے پر مجبور ہو جائے گا۔

° معروف صوفی بزرگ (متوفی ۱۳۸۱ء)

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط (الحشر ۵۹:۲۱) اگر ہم قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تم یقیناً دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے پاش پاش ہو جاتا۔

پس جس کام کی اجازت قرآن نہیں دیتا وہ راہ دین کی راہ نہیں ہے۔ وہ تو مطلق نابینائی ہے۔ برج قدیم سے جو آفتاب طلوع ہوتا ہے وہ پہلے آسمان دل پر چمکتا ہے۔ اس لیے سورہ ق میں فرمایا:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ○ (۵۰:۳۷) البتہ قرآن کریم میں دل اور کان رکھنے والوں کے لیے اللہ کا ذکر ہے اور وہ اس کے گواہ ہیں۔

شریعت پر عمل

شریعت کے راستے کے شہ سوار زندہ روحوں کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کی باتیں سراسر زندگی سے عبارت ہوتی ہیں اور ان کی زندگیاں غم و اندوہ کے باوجود پاک و صاف ہوتی ہیں۔ ان کو حزن و ملال سے بے قراری نہیں ہوتی۔ اور وہ دنیا والوں کے لیے باعث رافت و راحت ہوتے ہیں۔ ان کے درخت محبت کے پھلوں سے سب مستفید ہوتے ہیں۔ ان کی کوئی بات مسترد نہیں ہوتی کیونکہ وہ غلط افکار اور رسوم سے دست بردار ہوتے ہیں اور خواہشات نفس کو تیغ انکار سے ختم کر دیتے ہیں۔ اور جب تک ایسا نہ کیا جائے تمھارے دل کی گہرائی سے حکمت کے چشمے کبھی نہیں پھوٹیں گے اور علم حقیقی کا لطف تم کو حاصل نہ ہو گا۔

فکر آخرت

اسے یاد رکھو کہ جس کے دل کی آنکھ آج روشن نہ ہوئی، کل بھی نہ ہو گی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل ۱۷:۷۲) اور جو معرفت حق سے یہاں نابینا ہے وہ آخرت میں بھی خدا کے دیدار سے نابینا رہے گا۔

اے بھائی، اس دن کو یاد رکھو جس دن دلوں کے پرکھنے والے دلوں کی کسوٹی پر پرکھیں گے اور جو کچھ سینوں میں ہے آشکار ہو جائے گا۔ اور تحقیق کرنے والوں کو دلوں پر مقرر کر دیا جائے گا تاکہ ہر ایک کے باطن سے تمام چیزیں نکال کر محفل قیامت میں پیش کر دیں۔ یہ لوگ جانچ پڑتال کے بعد کہیں گے "خدایا! ہم نے کسی جگہ بھی عہد کی وفاداری نہیں پائی۔ ارشاد ہو گا: قلب من لا عهد له (جس سینے میں ہمارے دین کی وفا کا عہد نہیں ہے وہ ہمارے پاس آنے سے روک دیا جائے) اور اس طرح روک دیا جائے کہ کبھی ارے پاس نہ پھٹکنے دیا جائے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

نقد تو چوں ترا بر انگیزند — جملہ در گردن تو آویزند
بوتہ خود گویدت چو با دودی — کہ زری یا مس زر اند ودی

جب قیامت کے دن تم کو اٹھائیں گے تو تمھارے اعمال کا دفتر تمھاری گردن میں لٹکا دیں گے۔ جب تمھارے سونے کو پگھلایا جائے گا تو اس کا دھواں خود بتا دے گا کہ تم خالص سونا ہو یا تانبا ملا ہوا ہے۔

اتباع رسولؐ

اے بھائی، اب اٹھ بیٹھو، ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے اور اخلاق کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کا موقع نہیں ہے۔ اس ذلت کی مصیبت میں خود پرستی عزت نہیں ہے اور تقدیر کی شاہراہ پر سجدۂ تسلیم بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور ہر شخص کو ہوا و ہوس کے پیچھے چلنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور کسی کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے میں ہرگز کوئی نقصان نہیں ہے۔ مناجات ؎

خدایا نور دل ہمراہ ما کن — محمدؐ را شفاعت خواہ ما کن
دل و جان را فدائے راہ او کن — بہ تقویٰ روے در درگاہ او کن
بہ عقبیٰ دم بوقت پاک او زن — بہ دنیا دست درفتراک او زن

یار الٰہا میرے دل کو نور سے منور کر دے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا شفیع بنا دے۔ میرے دل و جان کو ان کے نقش قدم پر قربان کر دے۔ پرہیزگاری کے ساتھ میرا منہ ان کے دربار کی طرف پھیر دے۔ عقبیٰ میں ان کا نام لینے کی توفیق دے۔ دنیا میں بھی ان کا دامن ہمارے ہاتھ میں رکھ۔

خواجہ عطار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مثنوی ؎

زکونین ارشوی پاک و مجرد — نہ یابی راہ جز نور محمدؐ
اگر راہ محمدؐ را چو خاکی — دو عالم خاک گروندت ز پاکی
وگرتہ فلسفی، گو دور می باش — زعقل وزیرکی مہجور می باش
بہ عقل ار نقش این دیوار بندی — میان گبرگان زنار بندی

اگر دونوں جہان سے تو کنارہ بھی کر لے تو بغیر نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی راستہ نہ پائے گا۔ اگر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کی خاک ہو جائے، تو تیری پاکی کے مقابلے میں دونوں جہاں خاک ہو جائیں۔ اور اگر تو فلسفی ہے تو دور ہو جا اور اپنی عقل و خرد کے پردوں میں مجبور پڑا رہ۔ اگر اس دیوار معرفت پر اپنی عقل و سمجھ سے گل بوٹے بنائے گا تو آتش پرست ہو کر زنار باندھ لے گا۔

علم دین کا حصول

حاصل کلام: ہر وہ معاملہ جو بغیر علم کے ہے، باطل ہے۔ اور ہر وہ ریاضت و مجاہدہ جو فتوائے شریعت

کے خلاف ہے' ضلالت و گمراہی ہے اور شیطان کا دین و مذہب ہے۔ یاد رکھو' نیک بختیوں کے تمام دروازے معرفت کے حق میں علم ہی سے پہچانے جا سکتے ہیں۔ دین و سلطنت کی عظمت کے اسرار' اسلام اور دعوت انبیا کی عزت' اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور نشانیوں کی شناخت' معصوموں کی پاک دامنی کے مرتبے' مقربان بارگاہ الٰہی کے مختلف درجات' ذریت آدم کی فطرت کے راز' معیوب لوگوں کے عیبوں کے بھید' ایمان والوں کے حقوق' شریعت کی تعظیم' احکامات کی بجاآوری اور منہیات سے پرہیز' یہ تمام باتیں علم ہی کے ذریعے پہچانی جا سکتی ہیں' اور علم ہی کے میدان میں پائی جا سکتی ہیں۔ جب تک انسان اپنی جہالت کے بیابان سے باہر نہیں نکلتا اور علم کے سبزہ زار میں قدم نہیں رکھتا' ایمان کی یہ سعادتیں اس میں ظاہر نہیں ہوتیں۔

دیکھو' بارگاہ خداوندی میں صفت جہالت سے بڑھ کر کوئی ذلیل اور دشمن نہیں اور درگاہ خداوندی تک پہنچنے کا علم کے راستے سے نزدیک تر اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ وَالْعِلْمُ بَابُ اللّٰہِ الْاَقْرَبُ وَالْجَھْلُ اَعْظَمُ حِجَابًا بَیْنَکَ وَبَیْنَ اللّٰہِ (اور علم اللہ تعالیٰ کا قریب ترین دروازہ ہے اور جہالت تمھارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے)۔ جس طرح علم دین تمام سعادتوں کا میدان ہے' اسی طرح جہالت تمام گمراہیوں کی وادی ہے۔ بدبختیاں اور شقاوتیں جہالت کی اسی وادی میں پھولتی پھلتی ہیں۔ اور یہ جہالت وہ وادی ہے جس میں غلبہ کفر' بنیاد ایمان کی تخریب' احکام شریعت کو اوچھا اور ہلکا سمجھنا' شیطان کی دوستی' پیغمبروں اور صدیقوں کی اتباع سے بیزاری اور بیگانگی' اور اس طرح کی ہزاروں بدبختیاں پیدا ہوتی ہیں اور ان کے پودے نشوونما پاتے ہیں۔

مجاہدہ نفس

اے بھائی' وہ فرما رہے ہیں: وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط (الحج ۲۲: ۷۸) (خدا کی راہ جہاد کا حق ادا کرو) تم اپنے نفس کے کوچے میں قدم نہ رکھو کیونکہ وہاں خودبینی کا داروغہ تمھیں پکڑ لے گا۔ ہماری گلی میں آ جاؤ۔ تم ہمارے عزیز ہو۔ تم گرے پڑے تھے ہم نے تمھیں اٹھایا۔ تم کم ہمت تھے' ہم نے تم کو نوازا۔ اگر تم اپنی گلی میں قدم رکھو تو زخم و تکلیف سے تمھیں ہرگز نجات نہ ملے گی۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اپنی ہی گلی میں پڑے رہو تو یاد رکھو اپنی ساری پونجی گنوا دو گے اور کوئی نفع ہاتھ نہ آئے گا۔ کسی دل جلے نے کہا ہے۔ رباعی ؎

با عشق جمال ما اگر ہم نفسی	یک حرف بس است اگر بدین در تو کسی
تا با تو توئی تست درِ ما نہ رسی	درِ ما تو گہے رسی کہ ازخود بہ رسی

اگر تو ہمارے حسن و جمال کا عاشق ہے تو تیرے لیے بس یہی ایک بات کافی ہے اگر تو سمجھ دار ہے۔ جب تک تیری خودی تیرے ساتھ ہے' ہمارے دروازے پر نہیں پہنچ سکتا۔ ہمارے دروازے پر تو اس وقت پہنچے گا جب اپنی خودی سے

چھوٹ جائے گا۔

اے بھائی' اپنی خواہشوں کو مجاہدے کی بساط پر علم کی تلوار سے ذبح کر دے' اور نفس پُرفضول کا سر حکم شریعت کے مطابق ریاضت کی چھری سے کاٹ ڈال۔ حرص و آرزو سے بھرے ہوئے پیٹ کو بھوک اور فاقے کے خنجر سے پارہ پارہ کر دے' اور مسلمانی کا لباس پہن۔ خدا کی قسم خود پرستی سے کسی نے بھی فائدہ نہیں اٹھایا' اور آج تک کسی کو خدا پرستی سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ تمھارے نزدیک جان سے بڑھ کر اور کوئی چیز پیاری نہیں۔ اگر ان باتوں کو بڑی اور اہم چیز سمجھتے ہو' تو پہلا قدم اپنی جان پر رکھ دو اور مرنے سے نہ ڈرو۔ بس پھر زندگی ہی زندگی ہے۔

ترتیب و تدوین: عبدالرشید صدیقی

وَاصْبِرُوْا

- اپنے جذبات و خواہشات کو قابو میں رکھو
- جلدبازی، گھبراہٹ، ہراس، طمع اور نامناسب جوش سے بچو
- ٹھنڈے دل اور جچی تلی قوت فیصلہ کے ساتھ کام کرو
- خطرات اور مشکلات سامنے ہوں تو تمہارے قدموں میں لغزش نہ آئے
- اشتعال انگیز مواقع پیش آئیں تو غیظ و غضب کا ہیجان تم سے کوئی بے محل حرکت سرزد نہ کرانے پائے
- مصائب کا حملہ ہو اور حالات بگڑتے نظر آرہے ہوں تو اضطراب میں تمہارے حواس پراگندہ نہ ہو جائیں
- حصول مقصد کے شوق سے بے قرار ہو کر، یا کسی نیم پختہ تدبیر کو سرسری نظر میں کارگر دیکھ کر، تمہارے ارادے شتاب کاری سے مغلوب نہ ہوں
- اور اگر کبھی دنیوی فوائد و منافع اور لذاتِ نفس کی ترغیبات تمہیں اپنی طرف لبھا رہی ہوں تو ان کے مقابلہ میں بھی تمہارا نفس اس درجہ کمزور نہ ہو کہ بے اختیار ان کی طرف کھنچ جاؤ

یہ تمام مفہومات صرف ایک لفظ "صبر" میں پوشیدہ ہیں

(تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۴۸)

(خیر خواہ)

مؤثر تنظیم - ۲

استحکام اور توسیع کے تقاضے

(دوسری اور آخری قسط)

خرم مرادؒ

انسان: اہم ترین سرمایہ

مؤثر تنظیم کے حوالے سے ساتویں چیز یہ ہے کہ تحریک کے لیے وقت جیسے قیمتی سرمائے کے بعد سب سے بڑا اور اہم وسیلہ "انسان" ہیں۔ اگر ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو انسان ہی وقت کا نام ہے۔ اس لیے کہ جب آخری سانس نکل جاتی ہے تو وقت ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو وقت آپ کا اپنا ہے' یا جو آپ کے disposal پر ہے' یا جو آپ کو فراہم کیا گیا ہے' یہ سب افراد کی صورت میں ہے۔

یہ وقت جو افراد (افرادی قوت) کی صورت میں آپ کے پاس ہے' صرف ایک قسم یا کوالٹی کا نہیں ہے۔ سب انسان ایک جیسے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کو فیکٹری کے جوتوں کی طرح ایک سائز یا ایک قسم کا نہیں بنایا ہے بلکہ ہر انسان دوسرے سے مختلف ہے۔ اس حد تک مختلف ہے کہ دو انسانوں کی انگلیوں کے نشانات (finger prints) بھی دنیا میں آج تک ایک جیسے نہیں ہوئے۔ آج تک اربوں انسان پیدا ہوئے اور مر گئے مگر ان کے انگلیوں کے نشانات ایک جیسے نہیں ہوئے۔ یہ جہاں اللہ کی قدرت کا بین ثبوت ہے وہاں انسانوں کے مزاج' افتادِ طبع' رجحانات اور صلاحیتوں میں اختلاف کا بھی مظہر ہے۔ انسانی مزاجوں میں اتنا تضاد پایا جاتا ہے کہ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید انسان مل کر کام کر ہی نہیں سکتا۔ یہ اللہ ہی کی شان ہے کہ اس نے حیرت انگیز طور پر انسانوں' خاندانوں' معاشروں اور سوسائٹیوں کے مابین ایسی ضروریات پیدا کر دیں کہ مختلف النوع انسان مل جل کر رہیں اور باہم ایک جماعت اور تنظیم بنائیں۔

اسلامی تحریک کے لیے سب سے بڑا وسیلہ "انسان" ہی ہیں۔ ذاتی طور پر اپنا تزکیہ و تربیت کرنا' اور وہ انسان جو تحریکی ناطے سے ساتھ چل رہے ہوں ان کی تربیت کرنا اور ان سے کام لینا' یہ ذمہ داران کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ رسول کریمؐ کی بنیادی ذمہ داریوں میں یہ بات شامل تھی کہ وہ ان کے نفوس کا تزکیہ کرتے ہیں۔ وَیُزَکِّیْھِمْ (الجمعہ ۶۲:۲) ان کی زندگی سنوارتا ہے ----گویا انسان اگر بہتر بنیں گے اور کار آمد بنیں گے تو کام بہتر ہو گا' اور اگر انسان اسی مقام یا سطح پر رہیں گے جیسا کہ آج سے ۱۰ برس قبل تھے تو کام بھی ویسا ہی رہے گا جیسا کہ ۱۰ برس قبل تھا۔ جب آپ خود وہی ہوں جو آج سے ۱۰ سال قبل تھے تو آپ کا کام کیسے آگے بڑھ سکتا ہے۔ اگر آپ کی صلاحیت' استعداد' قابلیت اور کارکردگی وہی ہے جو آج سے ۱۰ برس قبل تھی تو اس کے لازمی معنی یہ ہوں گے کہ آپ کا کام بھی وہیں رکا رہے گا۔ اپنا کام تو آپ کو خود ہی کرنا ہے۔ فرشتے آکر تو آپ کے حصے کا کام کرنے سے رہے۔

فرد کی تربیت کے اصول: یہ بات کہ آدمی اپنی اور اپنے ساتھیوں کی تربیت کیسے کرے اور ان سے کام کیسے لے؟ یہ اپنی جگہ ایک الگ تفصیلی موضوع ہے۔ تاہم اس ساتویں نکتے کے تحت میں چند موٹی موٹی باتیں آپ کے سامنے رکھوں گا۔

خوبیوں پر نظر رکھنا: پہلی بات یہ ہے کہ ہر انسان کے اندر کمزوریاں بھی ہوتی ہیں اور خوبیاں بھی۔ کچھ کام وہ نہیں کر سکتا ہے اور کچھ کام وہ ضرور کر سکتا ہے۔ ہر فرد کا ایسا ہی معاملہ ہے۔ اسی طرح جہاں ہمارے اندر کمزوریاں ہیں وہاں مختلف صلاحیتیں' قوتیں اور استعداد بھی ہے۔

کمزوریوں کا اثر کم سے کم: ایک مؤثر تنظیم کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں کمزوریوں کا اثر کم سے کم ہو۔ کم سے کم اس لیے' کہ یہ کم تو ہو سکتا ہے مگر ختم نہیں ہو سکتا۔ اس بات کو ابتدا ہی میں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ یہ بات کہ دنیا میں رہنے والے تمام انسان کامل (perfect) ہو جائیں گے' سب ایک آواز پر جمع ہو جائیں گے' اجتماع میں بروقت پہنچیں گے' اور سب کام کریں گے--- ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ مسائل تو صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی پیش آتے رہے ہیں۔ انسان تو ہے ہی کمزور چیز۔ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (النساء ۴: ۲۸) اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے--- مگر اس کو بہت سی قوتیں اور صلاحیتیں بھی دی گئی ہیں۔ اس میں اتنی قوت اور طاقت ہے کہ وہ اس کام کو بھی کر سکتا ہے کہ جس کو کرنے سے پہاڑ اور زمین بھی لرز اٹھتے ہیں۔ گویا انسان کمزوریوں اور قوتوں کا ایک مجموعہ ہے۔ اس لیے وہی تنظیم بہتر کام کر سکتی ہے جو کمزوریوں اور خامیوں کو اور ان کے اثرات کو کم کر کے میسر قوتوں کو اچھے انداز میں استعمال کر سکے' اور مطلوبہ ہدف حاصل کر لے۔

اسی بات کی طرف نہایت حکیمانہ انداز میں اشارہ کرتے ہوئے نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی اپنے ساتھیوں کی کمزوریاں ہی تلاش کرتا رہتا ہے' اور ان پر الزام رکھتا رہتا ہے' وہ ان کو تباہ و برباد کر کے

رکھ دیتا ہے۔ احتساب اپنی جگہ ضروری ہے مگر اہم تر بات یہ ہے کہ آپ یہ دیکھیں کہ جو بھی آپ کے پاس سرمایہ ہے اس سے آپ کیا کام لے سکتے ہیں۔ اگر آپ یہ کہیں کہ پانچ یا دس روپے سے کیا کام ہو گا! تو کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ اس کے بجائے آپ یوں سوچیے کہ پانچ روپے سے کیا کام ہو سکتا ہے؟ یہ نہ سوچیے کہ "نہیں ہو سکتا"۔ اس لیے کہ "نہیں ہو سکتا" تو ہماری منزل نہیں ہے۔ یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مختلف افراد کے بارے میں یہ سوچنا چاہیے کہ یہ کیا کام کر سکتے ہیں۔

صلاحیتوں کو اجاگر کرنا: اللہ نے انسانوں کو بلامقصد تو پیدا نہیں کر دیا۔ وہ ان سے کچھ کام بھی لینا چاہتا ہے۔ اس لیے انھیں کچھ صلاحیتیں تو ضرور عطا کی ہوں گی۔ اس لیے یہ لوگ کچھ نہ کچھ ضرور کر سکتے ہیں۔ لہٰذا لوگ جو کچھ کر سکتے ہوں' ان سے وہ کام لینا چاہیے۔ یہ تمام صلاحیتیں اور وسائل جمع ہو کر ایک بہت بڑی قوت بن سکتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اگر آدمی ان باتوں پر غور کرتا رہے جو لوگ نہیں کر سکتے' تو قوت صفر ہو جائے گی۔

اصل بات یہ ہے کہ اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ ایک فرد کے اندر کیا خوبیاں ہیں؟ انھیں بڑھانے کی کوشش کرنا چاہیے اور جو کمزوریاں ہیں انھیں دبانے یا دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اسی طرح اپنے ساتھیوں کے اچھے اوصاف کی قدر کریں' ان کو اہمیت دیں' ان کی نشوونما کی کوشش کریں اور ان کو مربوط کر کے مجموعی قوت بنائیں تو آپ دیکھیں گے کہ تنظیم کے اندر قوت اور طاقت پیدا ہو گی۔ دوسری طرف اگر آپ صبح سے شام تک اپنے ساتھیوں کی کمزوریوں اور خامیوں کا رونا ہی روتے رہیں گے تو یقین جانیے کہ یہی کام کرتے کرتے آپ کی عمر بھی گزر جائے گی اور تنظیم کی عمر بھی گزر جائے گی مگر کام آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ لیکن جہاں آپ نے یہ محسوس کیا کہ ۵۷ آدمی بڑھتے بڑھتے لاکھوں افراد بن گئے ہیں' وہ آپ کے پاس ہیں' آپ کی قوت ہیں اور ان سے آپ نے کام لینا ہے' تو آپ کی کیفیت بدل جائے گی۔ آپ کو ایک نیا عزم اور ولولہ ملے گا۔ نتیجتاً تنظیم کی مجموعی کارکردگی بہت بہتر ہو جائے گی اور تمام وسائل تعمیری عمل میں صرف ہونے لگیں گے۔

ہر انسان کے اندر خوبیوں اور خامیوں کا پایا جانا ناگزیر ہے۔ خوبیوں اور خامیوں کے حامل افراد کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ مگر افراد کی خوبیوں' اچھائیوں اور صلاحیتوں کو بڑھانا' نشوونما دینا اور انھیں ایک مؤثر قوت میں بدل دینا' افراد کی تربیت اور ان کی صلاحیتوں سے کام لینے کا پہلا اصول ہے۔

مسلسل سیکھنے کا عمل: افراد کی تربیت کے حوالے سے دوسرا اصول یہ ہے کہ ہر کام سیکھنے سے آ سکتا ہے۔ دنیا میں کوئی بھی کام ایسا نہیں ہے کہ جو آدمی محنت اور کوشش کر کے نہ سیکھ سکتا ہو۔ اگر کسی کو بولنا نہیں آتا تو بولنا آ سکتا ہے۔ اگر لکھنا نہیں آتا تو لکھنا آ سکتا ہے۔ اگر آفس چلانا نہیں آتا تو آفس چلانا آ سکتا ہے۔ اگر لیڈرشپ یا قیادت کی صلاحیت نہیں ہے تو پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہوتا تو دنیا

کی بڑی بڑی ارب پتی کمپنیوں کو تربیت یافتہ افراد کہاں سے ملتے۔ افراد کو یونی ورسٹیوں میں رکھا جاتا ہے' تربیت کی جاتی ہے اور یہی معمولی انسان بڑے بڑے کاروبار کامیابی سے چلا کر دکھاتے ہیں۔ اس لیے یہ بات صحیح نہیں ہے کہ لیڈر شپ یا قیادت کا فن سیکھا نہیں جا سکتا۔ البتہ سیکھ وہی سکتا ہے جو سیکھنے کی کوشش کرے۔ کوئی دوسرا فرد گھول کر یا کچھ نسخے پلا کر کسی دوسرے کے اندر کوئی صلاحیت پیدا نہیں کر سکتا۔

یہی بات سمجھنے اور دوسرے ساتھیوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ کسی قسم کا مطالعہ' لٹریچر یا تربیت گاہیں اس وقت تک کارگر نہیں ہو سکتیں جب تک کہ آپ وہ بننا نہ چاہیں جو کہ آپ بننا چاہتے ہیں۔ اس عمل کو "سیکھنے کا عمل" یا انگریزی میں learning کہا جاتا ہے۔ اگر سیکھنے کا عمل مسلسل جاری رہے تو انسان سیکھ سکتا ہے اور اگر یہ عمل جاری نہ رہے تو نہیں سیکھ سکتا۔ محض تقریروں یا تربیت گاہوں سے انسان نہیں سیکھتا بلکہ اپنے عمل اور ارادے سے سیکھتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان یہ عزم کرلے کہ کوئی کام ایسا نہیں ہے جو ناممکن ہے اور اپنے ہر ساتھی کے اندر یہ سوچ پیدا کرے کہ جو کام کرنا ضروری ہے وہ کیا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک جو آدمی اپنے اوپر اعتماد سے محروم ہو یا اپنے اوپر بداعتمادی کرے وہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بداعتمادی کرتا ہے۔ میں یہ بات اس لیے کہتا ہوں کہ اللہ جس نے انسان کو پیدا کیا ہے' جو کام لینا اس کے پیش نظر ہے اور جو آزمایش اس کو مقصود ہے' اس نے اس کے لیے انسان کو مطلوبہ صلاحیتیں ہی عطا نہ کی ہوں' ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ اس کی طرف سے ناانصافی ہو گی۔ جب اللہ پر یہ یقین اور توکل ہے کہ وہ زیادتی نہیں کر سکتا تو پھر اپنے اوپر بھی یہ اعتماد اور یقین ہونا چاہیے کہ مجھے جو کچھ دیا گیا ہے وہ میرے امتحان کے لیے ہے اور اسے امتحان کے لیے کافی ہونا چاہیے۔ کم چیز دے کر امتحان لینا' یہ اللہ کی عدل و انصاف اور رحمت کی روش سے بعید ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو یہ اعتماد دینا چاہیے کہ ہم جو کام کرنا چاہیں وہ کر سکتے ہیں اور سیکھ سکتے ہیں بشرطیکہ ہم اس کے لیے لگ کر کوشش کریں خواہ وہ تقریر کرنا ہو' درس دینا ہو' تربیت کرنا ہو یا مؤثر انداز میں تنظیم چلانا اور مقررہ اہداف کا حصول ہو۔ کوشش ہی اصل چیز ہے۔ اس کے نتیجے میں جو بڑے بڑے کام مشکل نظر آتے ہیں وہ آسان ہو جاتے ہیں۔

کام میں شرکت کا احساس: تیسرا اصول ہے اپنے ساتھیوں کو کام میں شریک کرنا اور ان کے ساتھ شریک رہنا۔ اس کے بغیر یک جان ہو کر ایک ٹیم کے انداز میں کام نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لوگ جو صبح و شام سیرت النبیؐ کا یہ سبق پڑھتے ہیں کہ غزوہ احزاب میں جب خندق کھودی جا رہی تھی اور حضورؐ خود بیلچہ لے کر پتھر اٹھا رہے تھے اور ہر موقع پر آگے آگے تھے' وہ آخر اس بات کو کیسے بھول سکتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کو کام میں شریک کرنا اور ان کے ساتھ شریک رہنا' کتنی اہم بات ہے۔ یہ اسوۂ رسولؐ بھی ہے اور مؤثر تنظیم کا ایک اہم اصول بھی۔ شریک رہنا اور شریک کرنا' دراصل ایک راز ہے لوگوں کے جذبے کو متحرک

رکھنے اور ان سے کام لینے کا۔

اس حوالے سے ایک سچا واقعہ جو کہ کفر کی دنیا سے متعلق ہے' اسلام کی دنیا سے نہیں' بڑا معنی خیز ہے۔ امریکہ میں موٹر بنانے کا ایک کارخانہ تھا۔ اس کی پیداوار کم تھی اور نقصان زیادہ۔ مزدور بیماری یا بہت سے حیلے بہانے کر کے کام سے جی چراتے تھے اور چھٹیاں کرتے تھے۔ صرف ۷۰ فی صد مزدور کام پر آتے تھے۔ جاپان کی ٹویوٹا کمپنی نے اس کارخانے کو خرید لیا اور وہاں نئے اصول و ضوابط نافذ کر دیے کہ افسر اور مزدور ایک ہی کنٹین سے کھانا کھائیں گے' ان کے غسل خانے اور بیت الخلا الگ نہیں ہوں گے' اور اسی قسم کے چند دیگر اصول تھے۔ پہلے دن جب مزدور لائن میں آکر ناشتہ لینے کے لیے کھڑے ہوئے تو امریکہ کی ٹویوٹا کمپنی کے صدر کا بیٹا بھی قطار میں کھڑا ناشتہ لے رہا تھا۔ صرف دو سال بعد ہی اس کمپنی کی پیداوار دگنی ہو گئی' منافع دگنا ہو گیا اور ۹۵ فی صد مزدور کام پر حاضر رہنے لگے۔

یہ مغربی دنیا کی کام میں شرکت کے احساس کے حوالے سے ایک مثال تھی مگر ہماری اپنی تاریخ اور سیرت النبیؐ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مشورے میں شریک کرنا' کسی کی بات نہ کاٹنا' لوگوں کی حوصلہ افزائی اور ہمت افزائی کرنا کہ وہ بولیں اور اپنی رائے دیں' یہ سب باتیں اسوۂ رسولؐ میں ملتی ہیں۔

اصلاح کا محرک

اگلا اہم اصول' رپورٹ سسٹم اور احتساب سے متعلق ہے جو بہت اہم ہے۔ معاشرے میں اس کے مساوی چیزیں سی آئی ڈی اور پولیس کے نام سے مستعمل ہیں۔ رپورٹ سسٹم کا وہی کام ہے جو سی آئی ڈی کا ہے اور محاسبے کا وہی کام ہے' جو پولیس کا ہے۔ سی آئی ڈی اور پولیس دونوں ضروری ہیں مگر سی آئی ڈی اور پولیس کے بل پر کوئی معاشرہ متحرک نہیں ہو سکتا اور اس میں جان نہیں پڑ سکتی۔ اس کے ذریعے خرابیوں کو روکا تو جا سکتا ہے' ختم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی خوبیوں کو خاطر خواہ انداز میں آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ رپورٹ سسٹم سے اگر خرابیوں کا اندازہ بھی ہو جائے تب بھی انھیں مکمل طور پر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ محاسبے کا عمل خواہ کتنا ہی مؤثر ہو اور پوچھ گچھ کتنی ہی کی جائے' کام کو آگے بڑھانے میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہو پاتا۔ پوچھ گچھ یا تفتیش کا کام دراصل پولیس کا کام ہے۔ ایک قائد' لیڈر اور ناظم کا کام پولیس کی طرح پوچھ گچھ کرنا' یا سی آئی ڈی کے سے انداز میں رپورٹ لینا نہیں ہوتا' بلکہ اس کا کام افراد کی صلاحیتوں سے کام لینا' انھیں آگے بڑھانا اور متحرک کرنا ہوتا ہے۔ یہ صرف جذبہ ہی ہے جو کسی کام کو کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

حوصلہ افزائی وہ محرک ہے جو جذبوں کو ابھارتا' صلاحیتوں کو اجاگر کرتا اور کچھ کر گزرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اگر خلوص' محبت' خیر خواہی سے پیش آیا جائے اور حوصلہ افزائی کی جائے تو کارکنوں کی کارکردگی بہت بہتر اور تنظیم نہایت مؤثر ہو سکتی ہے۔

عام طور پر اصلاح کے لیے رپورٹ سسٹم اور احتساب و محاسبہ پر زور دیا جاتا ہے۔ درحقیقت رپورٹ اور محاسبہ تو مسائل کے حل کے لیے آخری چیز ہے۔ جب خرابی پیدا ہو تو اس کو حرکت میں آنا چاہیے۔ اس سے پہلے بہت سے مراحل ہیں جن سے تحریک' ساتھیوں اور کارکنوں کو گزرنا چاہیے۔

اپنے ساتھیوں کی تربیت کرنا' خلوص و محبت اور خیر خواہی کے ساتھ صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کام لینا' مؤثر تنظیم کے لیے یہی ساتواں اصول ہے۔

میں فی الحال انھی سات اصولوں پر اکتفا کر رہا ہوں۔ انھیں بڑھایا اور گھٹایا بھی جا سکتا ہے۔ تاہم تتمہ کے طور پر میں دو باتیں مزید عرض کروں گا۔

اجتہاد کی صلاحیت

پہلی بات یہ ہے کہ اسلامی تحریک ۔کے حوالے سے آگے بڑھنے کے لیے روز آپ کو نئے حالات پیش آئیں گے' نئے افراد سے سابقہ پڑے گا' نئی نئی صورت حال پیدا ہوں گی' نئے لوگ آپ کے ساتھ آکر شامل ہوں گے اور نئے اقدامات کی ضرورت پیش آئے گی۔ ان حالات میں جس تنظیم کو چلانے والے اور چلنے والے' ہر سطح پر' اجتہاد اور جرأت و حوصلہ کی صلاحیت سے محروم ہوں' تو وہ تنظیم بالآخر اپنی جگہ پر کھڑی ہو جاتی ہے' اور جمود کا شکار ہو جاتی ہے۔ اجتہاد کے معنی یہ ہیں کہ جیسے جیسے آپ کو نئے نئے حالات پیش آئیں' ان کے پیش نظر ایک طرف آپ فوری طور پر نئی تبدیلیاں اور نئے اقدامات کر سکیں' اور دوسری طرف اتنی ہمت و جرأت ہو کہ جو کام ہوتا چلا آ رہا ہو اور وہ مفید نہ ہو تو اسے ترک کر سکیں۔ اس کام کے لیے جس قدر ہمت و جرأت کی ضرورت ہے اس کا آپ کو شاید اندازہ نہیں۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ماضی کی روایت کو آسانی سے ترک نہیں کرتا بلکہ اس پر اصرار کرتا ہے اور نئی بات کو آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دانتوں سے پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں خواہ اس کا فائدہ ہو یا نہ ہو۔ یہ آئین نو سے ڈرنے اور طرز کہن پر اڑنے والی بات ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ روایات کی بڑی اہمیت ہے۔ اخلاقی و روحانی روایات تو اٹل ہیں اور انھیں ہمیشہ قائم رہنا چاہیے۔ البتہ تنظیمی روایات ہم نے خود بنائی ہیں' انھیں اپنایا یا چھوڑا جا سکتا ہے۔ مگر روایات کو ترک کرنا اتنا آسان اس لیے نہیں ہے کہ اللہ نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ وہ روایات یا اقدار کو آسانی سے ترک نہیں کرتا۔ اس میں یہ استعداد رکھی ہے کہ وہ روایات کو قائم رکھے۔ ورنہ اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر آئے روز روایات بدلنے لگیں تو پھر کوئی بھی کام آگے نہ بڑھ پاتا اور معاشرتی اقدار کو قائم نہ رکھا جا سکتا۔

انسان فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ جو چیز جتنی قیمتی' پیاری اور اہم ہو' اسے وہ اتنی ہی مضبوطی سے تھامے اور محفوظ رکھے۔ مگر جسے آگے بڑھنا ہو اور سفر کرنا ہو' یا جس تنظیم کو آگے بڑھنا ہو' نئے نئے

حالات سے جس کو سابقہ پڑتا ہو' اگر وہ اپنی اقدار و روایات کو ہر صورت میں تھامے رکھے اور سفر کے دوران نئے نئے اسٹیشن یا نئے نئے حالات کو پیش نظر رکھ کر تبدیلیاں نہ کرے یا ان سے نبٹنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو' تو پھر سفر کا کتنا مشکل ہو گا اور سفر کہیں بھی رک سکتا ہے۔ اس لیے اجتہاد اور ہمت و جرأت کی صلاحیت افراد' تحریکوں اور قوموں' سب کے لیے بڑی ضروری ہے۔

ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی تجارتی کمپنیاں مسلسل اس بات کی تحقیق کرتی رہتی ہیں کہ آیندہ مارکیٹ کی کیا صورت حال ہے۔ آیندہ دس سال کے بعد کیا صورت حال اور تقاضے ہوں گے۔ چنانچہ دس سال کی ضروریات کے پیش نظر وہ منصوبہ بندی کرتی ہیں' اپنی مصنوعات میں تبدیلیاں لاتی ہیں' اور اس طرح سے اپنا مال تیار کر کے وقت سے پہلے مارکیٹ میں لے آتی ہیں۔ اگر یہ کمپنیاں ہمیشہ ایک ہی طرح کا مال بناتی رہیں تو یہ بڑی بڑی کمپنیاں جو نظر آتی ہیں' دنیا سے کچھ ہی عرصے میں محو ہو جائیں۔ کوئی کمپنی دیگر کمپنیوں کی مصنوعات کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہ رہے۔ یہ کیوں آگے بڑھتی ہیں؟ اس لیے کہ ان کا مال ہمیشہ وقت سے پہلے یا عین وقت پر مارکیٹ میں آ جاتا ہے۔

میں تجارت کی اصطلاحات بار بار استعمال کر رہا ہوں۔ اس سے آپ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ ان کا تحریک پر اطلاق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے اور کار دعوت کو تجارت قرار دیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (الصف ۶۱: ۱۰) اے لوگو جو ایمان لائے ہو' میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمھیں عذاب الیم سے بچا دے؟

اللہ تعالیٰ نے یہ اصطلاح اور تشبیہ بار بار متعدد مقامات پر استعمال کی ہے اس لیے کہ مکہ کے تاجر ان اصطلاحات کو بڑی اچھی طرح سمجھتے تھے اور آج کی تجارتی دنیا میں بھی یہ تشبیہات سمجھی جا سکتی ہیں۔

جس تاجر یا دکان دار کو ایک ہی مال ایک ہی جگہ پر بیچنا ہو' وہ تو اپنی جگہ پر بیٹھا رہے گا' مال بیچتا رہے گا اور پیسہ کماتا رہے گا۔ مگر ہماری تحریک اور تنظیم کو ایک ہی مال بیچ کر' ایک ہی مقام پر نہیں رہنا ہے' بلکہ آگے بڑھ کر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ اس لیے آپ کو نئے مال اور نئی مارکیٹ کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔ یہ دیکھنا ہو گا کہ معاشرے کے کون کون سے طبقات ہیں جن تک ہماری دعوت نہیں پہنچی۔ وہ کون سے نئے الفاظ' نئے پیرائے اور اصطلاحات ہیں جن میں اپنا پیغام بہتر اور موثر انداز میں پہنچایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی سوچنا ہو گا کہ پوری تحریک جو ایک مدت سے میدان عمل میں ہے' اس میں کیا تبدیلیاں لائی جائیں کہ جس سے ہم آگے بڑھ سکیں اور مطلوبہ ہدف حاصل کر لیں۔ ان امور پر بار بار سوچنے اور سوچتے رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ سوچ اجتہاد اور ہمت و جرأت کی صلاحیت سے پیدا ہو سکتی ہے۔ ان کے بغیر ترقی کا سفر جاری رکھنا ممکن نہیں۔

تحریک کا اصل کام اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ آیندہ دس برس کے بعد ہم کہاں ہوں گے؟ یہ وسعت اور بصیرت ناگزیر ہے۔ اس لیے کہ آیندہ دس برس کے بعد بھی اگر ہم اسی جگہ اور اسی مقام پر یہ رپورٹ دے رہے ہوں کہ اس حلقہ متفقین میں ۱۰ متفق ہیں، ۲ کا اضافہ ہوا اور ۲ کی کمی ہوئی، تو پھر یہ ایک محض وجود برقرار رکھنے والی (maintenance) تنظیم کی کیفیت ہو گی، تحریکی تنظیم کی نہیں۔ اس کے مقابلے میں اگر آپ کو یہ معلوم ہو یا آپ کی یہ سوچ ہو کہ دس سال کے بعد یہاں دس حلقہ متفقین ہوں گے، ۱۰۰ متفق ہوں گے، یا دس کارکن ہوں گے، یا علاقے کے فلاں فلاں امام و خطیب، اور چودھری، اور مؤثر افراد ہماری دعوت کے قریب آجائیں گے، اور اس کے لیے آپ ایک منصوبہ عمل بنا کر مطلوبہ ہدف کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں، تو پھر آپ دیکھیں گے کہ اللہ کی مدد و تائید اور برکت آپ کے شامل حال ہو جائے گی۔

اس کے لیے اجتہاد اور ہمت و جرأت کی ضرورت ہو گی کہ آپ روایات سے چمٹ کر ہی نہ رہ جائیں۔ البتہ جو روایات مفید ہوں، ان پر ضرور جمے رہنا اور ان سے چمٹے رہنا چاہیے۔ مگر وہ روایات جو کام میں رکاوٹ بن رہی ہوں، بوجھ بن رہی ہوں، انھیں چھوڑنے کی ہمت ہونی چاہیے۔ اسی طرح جو چیزیں مفید نہیں رہیں، انھیں مفید بنائیں۔ ان کے اندر روح پھونکیں۔ جب تک یہ عمل مسلسل اجتہاد اور ہمت کے بغیر جاری نہیں رہے گا، اس وقت تک آپ آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ ہاں آپ اپنے وجود کو ضرور برقرار رکھ سکیں گے اور اپنے مقام پر بہت اچھی طرح کھڑے رہ سکیں گے۔ لیکن اس علاقے میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر کے غلبہ نہیں پا سکیں گے جو کہ حقیقتاً مطلوبہ ہدف ہے۔

قائدانہ صلاحیت

دوسری بات تتمہ کے طور پر میں یہ کہوں گا، جو میں نے آغاز میں بھی کہی تھی کہ آپ اپنے کام کا صحیح معنوں میں جائزہ لے کر دیکھیں کہ واقعتاً کیا کام کرنا مطلوب و مقصود ہے؟ کوئی چک ہو یا گاؤں، ضلع ہو یا صوبہ، آپ اپنے کام (job) کا اندازہ یا پیمانہ مقرر کریں، یعنی size up کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا اندازہ لگائیں کہ اس علاقے میں کتنی آبادی ہے؟ مردوں اور عورتوں میں مجھے دعوت کا کام کتنی مدت میں کرنا ہے؟ چنانچہ انھیں اپنے قریب لانے اور دعوت کے لیے مسخر کرنے کے لیے کوئی متعین مدت اور ہدف مقرر کریں اور پھر اسے حاصل کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کو اپنے علاقے یا حلقے کی دیگر تفصیلات کا علم بھی ہونا چاہیے کہ یہاں کتنے اساتذہ، ڈاکٹر، انجینیر، فوجی، مؤثر افراد، امام و خطیب، مساجد اور علما وغیرہ ہیں۔ نیز مخالفین، دیگر سیاسی جماعتیں اور ان کے قائدین، ان کا اثر و رسوخ، وسائل و قوت اور حکمت عملی کا بھی اندازہ ہونا چاہیے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کسی علاقے کے گورنر کو اپنے علاقے کی تفصیلات کا علم ہوتا ہے۔ یا قدیم صوفیاے کرام کی اصطلاح کے مطابق کسی علاقے

اضافہ اشاعت کی مہم میں حصہ لیجیے

ڈاکٹر جمیل جالبی سابق شیخ الجامعہ، جامعہ کراچی و صدر نشین مقتدرہ قومی زبان

ترجمان القرآن فکر صحیح کا ترجمان ہے۔ ملت مسلمہ کو درپیش، عہد حاضر کے مسائل اس رسالے کی جان ہیں۔ اس مزاج کا کوئی دوسرا رسالہ پاکستان میں نہیں ہے۔ دل درد مندر رکھنے والوں کو اس فکر انگیز رسالے کو ضرور پڑھنا چاہیے۔

کچھ دیگر قارئین کی رائے:

☆ صوری اور معنوی دونوں لحاظ سے جاذب نظر، جاذب دل، روح پرور اور مقصدیت سے بھرپور ہوتا ہے۔ تمام مضامین وسعت ذہن، وسعت نظر اور وسعت قلب پیدا کرتے ہیں۔ مختصر اقتباسات، ہدایات مشورے خاص طور پر پسند آتے ہیں۔

☆ آپ رسالے میں جس طرح تمام مکاتب فکر کے مفکرین اور علما کے مضامین کا انتخاب کرتے ہیں وہ قابل داد ہے

☆ ترجمان کے ذریعے اختلاف رائے کو برداشت کرنے کی تربیت دینے کی کوشش نہایت پسندیدہ ہے

☆ میری اردو بہت اچھی نہیں، پھر بھی گذشتہ دو برس سے ترجمان القرآن کی تحریریں پڑھ رہا ہوں۔ بہت دلچسپ اور اعلیٰ معیار کی ہوتی ہیں۔ ہمارے کارکن اسلاف کے علمی ورثے سے اور تحریک کے اہل علم کی فکر سے آگاہ نہیں ہیں۔ یہ خلا ترجمان پر کر سکتا ہے۔

☆ بہت عرصے سے ترجمان القرآن ملنے کے فوراً بعد ایک دو نشستوں میں ختم کرتا ہوں۔ اور پھر کئی بار دہراتا ہوں۔ پھر سارا مہینہ انتظار! ترجمان القرآن کو اپنا مربی اور مزکی مان کر چاہتا ہوں۔

☆ بلاشبہ خدمت دین کے حوالے سے ۲۱ویں صدی کا استقبال 'ترجمان' نے بہت خوب انداز سے کیا ہے۔ ترجمان امت مسلمہ کا حقیقی رہنما رسالہ ثابت ہو رہا ہے۔

کوئی کتنے ہی اعلیٰ منصب پر ہو
کتنا ہی عام سا آدمی ہو
ہم ہر ایک سے
اگر وہ ترجمان القرآن کے پیغام میں دلچسپی رکھتا ہے
تعاون کی امید بلکہ یقین رکھتے ہیں
زبانی کلامی نہیں...... عملی!!

آپ ارادہ کر لیں کہ اشاعت بڑھانا ہے

تدابیر آپ کو خود سوجھیں گی
آپ کا ارادہ نہ ہو'
ہماری بتائی تدبیریں رکھی رہ جائیں گی

ہم صرف لالچ دے سکتے ہیں

صرف ۱۵۰ روپے میں' ۱۲ ماہ تک ۸۸ صفحات کا معیاری نگارشات کا مجموعہ
برا سودا نہیں!
کسی کو ہدیہ کریں...... ۱۲ ماہ آپ کی اچھی یاد دلائے گا
مطالعہ سے کسی کی زندگی بدلے' کوئی نیکی کرے' آپ کا بھی اجر میں حصہ ہو گا
اس صدقہ جاریہ کے اجر کی انتہا نہیں

پھر کوشش میں کمی کیوں کریں؟

اپنا ہدف طے کیجیے: ۱' ۵' ۱۰' ۲۰' ۵۰ ـــ کچھ بھی ناممکن نہیں۔
صرف نیت' ارادہ اور کوشش شرط ہے۔

FF44-C

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم مینیجر صاحب، السلام علیکم!

ازراہ کرم، درج ذیل پتوں پر ترجمان کا نمونے کا پرچہ / تعارفی بروشر ارسال کر دیں۔ امید ہے کہ یہ خریدار بن جائیں گے۔ نام ____________

پتا ____________

نام ____________

پتا ____________

شہر / مقام ____________ | | | | | |

نام ____________

پتا ____________

شہر / مقام ____________ | | | | | |

نام ____________

پتا ____________

شہر / مقام ____________ | | | | | |

نام ____________

پتا ____________

شہر / مقام ____________ | | | | | |

محترم مینیجر صاحب، السلام علیکم!

میں ماہ ____________ سے سالانہ خریدار بننا چاہتا / چاہتی ہوں۔ مطلوبہ رقم ____________

بذریعہ بنک ڈرافٹ / منی آرڈر ارسال ہے / کا وی پی کر دیجیے

نام ____________

پتا ____________

شہر / مقام ____________ ☐☐☐☐☐

محترم مینیجر صاحب، السلام علیکم!

درج ذیل پتے پر ایک سال کے لیے میری جانب سے بطور ہدیہ جاری کر دیجیے۔ -/150 روپے

بذریعہ بنک ڈرافٹ / منی آرڈر ارسال ہیں۔

بھیجنے والے کا نام ____________

پتا ____________

نام ____________

پتا ____________

شہر / مقام ____________ ☐☐☐☐☐

اندرون ملک

1 سال	Rs.150
2 سال	280
3 سال	420

بیرون ملک

	1 سال	2 سال	3 سال
1- بھارت	Rs. 300	Rs. 590	Rs. 870
2- بنگلہ دیش، ایران	450	880	1320
3- مشرق وسطیٰ، یورپ مشرق بعید، افریقہ	650	1280	1920
4- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	900	1780	2670

- بیرون لاہور بنک کے چیک میں 52 روپے کا اضافہ کر دیجیے۔
- بیرون ملک کے بنک کے چیک ارسال نہ کیے جائیں۔

یہ ورق جدا کر کے لفافے میں رکھ کر ٹکٹ چسپاں کر کے حوالہ ڈاک کر دیجیے۔

مینیجر ماہنامہ ترجمان القرآن، اے-5 ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور۔

9 انسانوں کے ساتھ کام کرنا آسان ہونا چاہیے

کام کا انحصار کام کرنے اور کام لینے والوں کے درمیان تعلقات پر ہوتا ہے۔ اگر تعلقات بہتر ہوں تو کام بھی بہتر ہوتا ہے' اور تعلقات خراب ہوں تو کام بھی خراب ہوتا ہے۔ تعلقات کو موزوں رویے اور بہتر سلوک کے ذریعے تعمیر کیا جاتا ہے۔

اگر درج ذیل باتوں سے اجتناب کیا جائے تو تعلقات کی ایسی فضا پروان چڑھتی ہے جس میں کام کرنا اور کام لینا مشکل نہیں' بلکہ آسان اور دلچسپ ہو جاتا ہے۔

- فرد اور اس کے کام کے درمیان فرق نہ کرنا ــــــ یعنی کام خراب ہو تو فرد کو بھی خراب ہی سمجھا جائے۔
- فرد کے بارے میں ایک دفعہ رائے بنا کر ہمیشہ کے لیے اپنا لینا ــــــ یعنی آیندہ بہتری کی گنجایش نہ رکھنا۔
- فرد کو سمجھے بغیر نصیحت کرنا ــــــ تحقیق کے بغیر گمان پر چلنا۔
- اپنی بات غلط ہو' تو اڑنا' اور دوسرے کی غلطی ہو تو' معاف نہ کرنا۔
- انفرادی طور پر کیے گئے اپنے وعدے کو پورا نہ کرنا۔
- اپنے اچھے سلوک کی تشہیر کرنا۔
- فرد کی استطاعت کا صحیح اندازہ نہ لگانا' کم یا زیادہ توقع رکھنا۔
- افراد کے ساتھ جھگڑے میں پڑنا اور دوسرے کے جھگڑے میں شریک ہو جانا۔
- حد درجہ مذاق اور چست جملوں کے تبادلے کے ذریعے بے معنی گفتگو میں وقت گزارنا۔
- ذمہ دار اور غیر ذمہ دار رویے کو ایک نظر سے دیکھنا۔

44-F

آبادی کی منصوبہ بندی

مغربی تہذیب کے غلبے کا کھیل

امجد عباسی

انسان کمزور ہے اور ناقص العلم بھی۔ وہ وحی الٰہی سے بے نیاز ہو کر اپنے مسائل کا حل خود تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے تو بے اعتدالی' فساد اور انتشار کا باعث بنتا ہے۔ یہی وہ چیلنج ہے جو قرآن نے بہ بانگ دہل دیا ہے کہ اسلام نے زندگی کے مسائل کے حل کے لیے جو نظام دیا ہے وہی صراط مستقیم اور مسائل کا مستقل اور منصفانہ حل ہے۔ اگر انسان کوئی نظام بنا کر دکھا سکتا ہے تو بنا لے' اس کے نتائج خود سامنے آجائیں گے۔ انسان نے اپنے زعم میں ہمیشہ ایسی جسارتیں کی ہیں۔ ہمارے عہد میں سرمایہ دارانہ نظام اسی کا ایک شاخسانہ ہے' جس کی ناکامی کیمونزم اور اشتراکیت پر منتج ہوئی۔ انسانی "مساوات" کا یہ غیر فطری نظام محض ۷۰ سال میں اپنی موت آپ مرگیا۔ عقل والوں کے لیے اس میں نشانی ہے مگر ان کے لیے جو سمجھیں!

ایسی ہی ایک جسارت اقوام مغرب کا تحدید آبادی (آبادی کو کم کرنا) یا خاندانی منصوبہ بندی کا نظریہ ہے۔ اہل مغرب کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ افراط آبادی کے نتیجے میں وسائل کی قلت اور مسائل میں اضافے کا خدشہ ہے۔ مالتھس اور اس قبیل کے لوگوں نے بڑی جدوجہد اور تحقیق کے بعد اعداد و شمار کے ذریعے ایک ہولناک تصویر دنیا کے سامنے رکھ دی۔ دین و مذہب سے بیزار مغرب اور خدا ناآشنا تہذیب نے خدائی احکامات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنی خدائی کے تحت اس فلسفے کو پوری شدومد کے ساتھ نہ صرف پیش کیا بلکہ ایسے اقدامات کیے کہ خاندانی منصوبہ بندی مغربی تہذیب کا ایک شعار بن گئی۔ شرح پیدائش کم ہونے کے نتیجے میں مغرب کی آبادی تیزی سے کم ہونے لگی۔

آج مغرب اپنی تمام تر ترقی' بالادستی اور غلبے کے باوجود اپنی ہی حکمت عملی کا شکار ہوتا نظر آ رہا ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کے دور رس اثرات جو ظاہر بین نگاہوں سے قطعی طور پر نظر نہیں آ رہے تھے' اب

کھل کر سامنے آ رہے ہیں۔ مغرب کو اپنی کم شرح پیدائش کے نتیجے میں اب خدشہ لاحق ہو گیا ہے کہ دنیا کی دوسری اقوام اپنی کثرت آبادی کے نتیجے میں ان پر غالب آ سکتی ہیں جس کے نتیجے میں ۲۱ویں صدی میں دنیا میں حیرت انگیز جغرافیائی اور سیاسی تبدیلیاں واقع ہو سکتی ہیں۔ اس حیرت انگیز تبدیلی کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ عالمی طاقتوں کو اس بات کا خدشہ ہے کہ آنے والے دنوں میں زیادہ آبادی اور زیادہ شرح پیدائش والے ممالک کی حیثیت کم آبادی اور کم شرح پیدائش والے ممالک کے مقابلے میں ثقافتی' نفسیاتی اور کئی دیگر حوالوں سے بہت مختلف ہو گی اور مجموعی طور پر انھیں سیاسی برتری حاصل ہو گی۔

بہ ظاہر یہ بات ناقابل فہم لگتی ہے کہ بڑا خاندان یا زیادہ آبادی والے ممالک مثلاً یوگنڈا' ماریطانیہ دنیا کے موجودہ ترقی یافتہ ممالک اور عالمی قوتوں پر غالب ہوں گے۔ دنیا کی موجودہ شرح پیدائش کو سامنے رکھتے ہوئے ایک اندازے کے مطابق اگر آج ایک یمنی خاتون کے ہاں سات بچے ہوتے ہیں اور آیندہ تین نسلوں تک یہی شرح پیدائش رہے تو ایک یمنی خاتون کے ۴۹ پوتے' ۳۴۳ پڑپوتے اور ڈھائی ہزار بچے اس سے اگلی نسل میں ہوں گے۔ دوسری طرف مغرب میں اوسطاً خاندان بمشکل ایک بچے پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے ایک یمنی خاتون کے مقابلے میں جرمنی' اسپین یا اٹلی کی ایک خاتون کے ہاں ایک بچہ ہو گا' ایک پوتا' ایک یا دو پڑپوتے اور غالباً دو یا تین بچے اگلی نسل میں ہوں گے۔ یہ یقیناً یمن' سعودی عرب' فلفیجبوبیا' صومالیہ اور ایسے ہی دیگر ممالک کے مقابلے میں آبادی کے بہت نمایاں فرق کا باعث ہو گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کثیر آبادی کس طرح سے جغرافیائی اور سیاسی بالادستی کی حامل ہو سکتی ہے؟ بعض مغربی ماہرین نے اس حوالے سے اپنا نظریہ پیش کیا ہے۔ ان کے خیال میں اگر بڑھتی ہوئی آبادی کا یہی تناسب رہا تو آج کی عالمی طاقتیں اپنے تمام تر وسائل' قوت اور بالادستی کے باوجود اپنی کم آبادی کی وجہ سے بالآخر بے وزن ہو کر رہ جائیں گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مغرب کی صنعتی ترقی کے لیے افرادی قوت اور خام مال کی فراہمی کا بڑا ذریعہ ترقی پذیر ممالک ہیں۔ جیسے جیسے ان ممالک کی افرادی قوت اور خام مال کی فراہمی کا تناسب بڑھتا جاتا ہے' اسی تناسب سے ان کی اقتصادی حالت بہتر ہوتی جاتی ہے اور اقتصادی توازن بتدریج ان کے حق میں بدلتا جاتا ہے۔ مثلاً لیما (پیرو) اور عمان (اردن) میں جہاں ۳۰ سال قبل ٹوٹی پھوٹی سڑکیں اور کچی آبادیاں نمایاں تھیں۔ آج آرام دہ کشادہ گھر' بڑی تعداد میں دیکھنے میں آتے ہیں۔ قاہرہ پھیل کر نیویارک کے ہم پلہ ہو گیا ہے اور نمایاں طور پر ایک جدید شہر ہے۔ اسی طرح ایشیا کے دیگر شہر دیکھے جا سکتے ہیں۔

ہارورڈ یونی ورسٹی کی ۱۹۹۱ کی ایک تحقیق کے مطابق لاطینی امریکہ کی آبادی گذشتہ صدی کے آغاز کے مقابلے میں سات گنا زیادہ ہو چکی ہے اور فی کس آمدنی پانچ گنا بڑھ چکی ہے۔ یہ تحقیق مالتھس کے نظریہ آبادی کی بھی نفی کرتی ہے جس کے مطابق آبادی کے بڑھنے کے تناسب سے وسائل میں اضافہ نہیں ہوتا۔

یہ تحقیق امریکی فوج نے کروائی تھی۔ اس کا مقصد امریکی امداد کا جائزہ لینا نہیں تھا بلکہ اس کا بنیادی مقصد آنے والے خطرات کی نشان دہی کرنا تھا۔ رپورٹ کے مطابق: آبادی اور معاشی ترقی میں اضافے کا رجحان ایک عالمی فضا تیار کر سکتا ہے جو دفاعی نقطہ نظر سے اس سے زیادہ شدید ہوگی جس سے سرد جنگ کے زمانے میں مغرب کے اتحادیوں کو سامنا تھا۔

اگرچہ یہ مفروضہ ہے اور دنیا میں اس انداز میں جغرافیائی اور سیاسی تبدیلیوں کے بہ ظاہر کوئی آثار نہیں ہیں لیکن مغربی ماہرین اور قیادت اس بدلتے ہوئے رجحان سے پوری طرح چوکنے ہیں۔ انھیں خدشہ ہے کہ اس کے نتیجے میں ان کا اقتدار چھن سکتا ہے اور وہ زوال کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اس موضوع پر مغرب میں کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ نارتھ کارولینا سنٹر برائے تحقیق آبادی اور تحفظ کے ڈاکٹر سٹیفن ڈی مفرڈ نے اپنی کتاب: Population Growth Control: The Next Move is America's میں ۲۰ سال قبل ۱۹۷۷ میں شائع ہوئی تھی' واضح طور پر لکھا ہے کہ دنیا کی آبادی کی تحدید کے لیے غیر معمولی اقدامات کی ضرورت ہے "اب وسیع پیمانے پر مداخلت لازماً کرنا ہوگی کیونکہ ہماری بقا خطرے میں ہے" (our survival is at stake)۔

یہ وہ تشویش ہے جو مغرب کو دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی سے لاحق ہے۔ اگلی صدی کے آیندہ چند سال فیصلہ کن ہوں گے۔ تحدید آبادی کی کیا صورت ہوگی' اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ ترقی پذیر ممالک اس پر کیا ردعمل ظاہر کرتے ہیں اور کس حد تک عالمی سیاست و جغرافیائی صورت حال پر اثرانداز ہوتے ہیں۔

مغربی ماہرین اور اسکالر جن میں بنجمن فرینکلن' برٹ رینڈرسل' امریکی صدر تھیوڈر روز ولٹ وغیرہ شامل ہیں' سب کو یورپ کی گھٹتی ہوئی شرح پیدائش پر ابتدا ہی سے تشویش لاحق تھی۔ بنجمن فرینکلن نے ۱۷۵۱ میں مقامی لوگوں اور افریقہ کے کالوں کے مقابلے میں سفید فام لوگوں کی مجموعی طور پر گھٹتی ہوئی آبادی کے پیش نظر آبادی کو بڑھانے کے لیے خصوصی اقدامات پر زور دیا۔ امریکی صدر تھیوڈر روز ولٹ (۱۹۰۱-۱۹۰۹) کو مجموعی طور پر امریکی سفید فام آبادی کے مقابلے میں ایشیا' مشرقی یورپ' لاطینی امریکہ اور افریقہ کے باشندوں کی کثیر شرح پیدائش پر تشویش لاحق تھی۔ برطانوی فلاسفر برٹ رینڈرسل کی کتاب: Marriage and Morals' ۱۹۲۹ میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی جس میں اس نے مشرقی یورپ میں تیزی سے گھٹتی ہوئی شرح پیدائش پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ اگر شرح پیدائش میں اضافہ نہ کیا گیا تو ایک وقت آئے گا جب طاقت ور افواج کی حامل قوتوں کے مقابلے میں زیادہ شرح پیدائش کی حامل قومیں طاقت میں بڑھ جائیں گی اور یوں طاقت کا توازن بگڑ جائے گا۔ چنانچہ اس نے مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر شرح پیدائش بڑھانے کے لیے حکومتی سطح پر اقدامات اٹھانے کے لیے بھرپور زور دیا۔

ان مغربی ماہرین کا بیسویں صدی کے نصف ہی میں خیال تھا کہ کم شرح پیدایش کی وجہ سے سفید فام آبادی پر بتدریج غیر سفید فام آبادی غالب آ جائے گی۔ آج اس بات کو ایک جدید اصطلاح differential fertility سے واضح کیا جا رہا ہے۔ یعنی ایسی صورت حال جب دو یا دو سے زیادہ طبقات آبادی واضح طور پر مختلف شرح پیدایش کے حامل ہوں تو اس سے مجموعی طور پر آبادی پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ ان اثرات کا جائزہ دو طریقوں سے لیا جا سکتا ہے۔ ایک طریقہ critical mass کا ہے جس میں جائزہ لیا جاتا ہے کہ ایک محدود مگر باصلاحیت گروہ کس طرح سے اکثریت پر اثرانداز ہو سکتا ہے۔ دوسرا طریقہ معاشی طور پر سرگرم آبادی (EAP) کا ہے جس کے تحت ۱۵ سال سے ۵۵ سال کی عمر کے افراد کے لحاظ سے جو عملاً ٹیکس کی ادایگی کے ذریعے معاشرے پر اثرانداز ہوتے ہیں، جائزہ لیا جاتا ہے۔

Critical Mass کے نظریے کی ایک بہترین مثال جنوبی افریقہ کی ہے۔ ۱۹۵۱ میں جب سفید فام حکومت افریقہ میں قائم کی گئی تو آبادی کا تناسب تین اور ایک کا تھا، یعنی تین سیاہ فام افراد کے مقابلے میں ایک سفید فام۔ ایک نسل گزرنے کے بعد یہ تناسب سات اور ایک کا ہو گیا۔ اس شرح پیدایش کو سامنے رکھتے ہوئے، ۱۹۸۰ کے ایک جائزے کے مطابق، ۲۱ویں صدی میں یہ فرق گیارہ اور ایک کا ہو جائے گا، یعنی گیارہ سیاہ فام کے مقابلے میں صرف ایک سفید فام۔ طویل المیعاد منصوبہ بندی کے موضوع پر امریکی فوج کی ایک کانفرنس کی رپورٹ کے مطابق جنوبی افریقہ کی حالیہ آزادی کی دیگر وجوہات کے علاوہ ایک اہم وجہ سیاہ فام آبادی کا اکثریت میں ہونا بھی تھا۔ جنوبی افریقہ کی سفید فام قیادت کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ اکثریتی آبادی پر ان کے لیے حکمرانی کا وہ انداز اب کامیاب نہیں ہو سکتا جو ماضی میں تھا۔ چنانچہ انھوں نے آزادی دے کر اپنے مفادات کے تحفظ میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

آبادی کی اکثریت کس طرح سے جغرافیائی اور سیاسی طور پر اثرانداز ہوتی ہے، یہ اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ یہی تصور دیگر کئی ممالک کے حوالے سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اسرائیل کی مثال لی جا سکتی ہے جہاں ایک یہودی خاندان کے مقابلے میں ایک عرب خاندان کے افراد کی تعداد میں نمایاں فرق ہے۔ اسی طرح لبنان کا مسئلہ ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی عیسائیوں کے مقابلے میں نمایاں فرق کی حامل ہے اور مسلمانوں کی شرح پیدایش بھی مقابلتاً زیادہ ہے۔

سی آئی اے کے سابق ڈپٹی ڈائریکٹر برائے انٹیلی جنس رے ایس کلائن (Ray. S. Cline) نے اس نظریے پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی کتاب: The Power of Nations in the 1990s, A Strategic Assessment میں لکھا ہے کہ اگر ایک بڑا خطہ زمین کثیر آبادی کا حامل ہو گا تو وہ فطری طور پر قوت کا حامل ہو گا اور ملکی پالیسیوں اور خارجہ امور پر اثرانداز ہو گا۔ گویا کثیر آبادی ملکی وسائل، طاقت کے توازن اور امور مملکت پر اثرانداز ہونے کی قوت رکھتی ہے۔

یہ نظریہ ۱۹۹۰ میں نمایاں طور پر ابھر کر اس وقت سامنے آیا جب نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ڈیموگرافکس پیرس کے جین کلائیڈ ے جیسنس (Jean Claude Chesnais) نے ایک فیچر کے ذریعے اس بات کو واضح کیا کہ آیندہ چند عشروں میں کثیر آبادی کی بنا پر دنیا میں واضح سیاسی و جغرافیائی تبدیلی آنے کے امکانات ہیں جس کے عمومی آثار نمایاں ہیں۔ آبادی کی بنیاد پر نئی طاقتیں ابھریں گی جب کہ پہلی طاقتیں اپنی آبادی میں کمی کی بنا پر زوال پذیر ہو جائیں گی۔

آبادی کس طرح سے اثرانداز ہو سکتی ہے' اس کا اندازہ ماہر اقتصادیات Milica Zarkovic Bookman کی کتاب: The Demographic Struggle for Power: Engineering in the Modern World (1997) سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے مطابق تین بنیادی اصول ہیں جو آبادی کی بنیاد پر وسائل اور طاقت کی منتقلی کا باعث بنتے ہیں۔

۱۔ ایک بڑے گروہ میں زیادہ اہلیت ہوتی ہے کہ وہ سیاسی دباؤ کے ذریعے قومی وسائل پر اثرانداز ہو سکے۔

۲۔ ایک بڑا گروہ پالیسی سازی پر بھی اثرانداز ہو سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایک محدود حکمران گروہ کثیر آبادی کے حامل گروہ کے اثرات کی بنا پر ان کے مطالبات ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً وہ زیادہ اثر و رسوخ اور وسائل کا حامل ہو جاتا ہے۔

۳۔ زیادہ آبادی زیادہ علاقائی وسائل و سہولیات سے مستفید ہوتی ہے۔ اگر ایک گروہ اپنی آبادی کی بنا پر کسی علاقے میں غالب ہے تو فطری طور پر انفراسٹرکچر کا بڑا حصہ اس پر مشتمل ہو گا۔ نتیجتاً وہ اپنے تناسب کی بنا پر دیگر سہولیات کے علاوہ معاشی وسائل کے بڑے حصے کا حق دار بن جاتا ہے۔

مصنف کے بقول یہ اصول خاص طور پر ان علاقوں میں لاگو ہوتے ہیں جہاں اکثریت اور اقلیت میں اقتصادی ناہمواری پائی جاتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ صورت حال مجموعی طور پر عالمی سطح پر پائی جاتی ہے۔

کثیر آبادی کے حوالے سے ایک اور پہلو فوجی برتری اور جدید ہتھیاروں کی تیاری کا بھی ہے۔ بلاشبہ کسی ملک کو اپنے حریف ملک پر ہتھیاروں اور فوجی قوت کی بنا پر برتری حاصل ہوتی ہے۔ ہتھیاروں کی تیاری اور فوج کی تربیت کے لیے یقیناً دفاعی بجٹ اور وسائل کا بڑا حصہ درکار ہوتا ہے۔ اگر ٹیکس دہندوں کا حلقہ وسیع ہو گا تو زیادہ وسائل اکٹھے ہوں گے۔ اس لیے وسیع آبادی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ مغرب کو اس بات پر تشویش ہے کہ ان کی شرح پیدائش بتدریج گرتی جا رہی ہے۔ پینٹاگون کی ۱۹۸۸ میں تحقیق کے مطابق یہ مستقبل میں امریکہ اور اس کے حلیفوں کی فوجی برتری پر کئی حوالوں سے اثرانداز ہو سکتی ہے۔ ایک طرف شرح پیدائش کی کمی کی بنا پر بھرتی کے لیے نوجوانوں کی کمی کا مسئلہ ہے تو دوسری طرف عمر رسیدہ افراد کا بڑھتا ہوا تناسب ہے جو کچھ کمانے کی پوزیشن میں تو نہیں البتہ پنشن اور دیگر سہولیات کی

صورت میں ملکی بجٹ پر ایک بوجھ ہیں' جس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

اس کے علاوہ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جدید ہتھیاروں کی تیاری خاصا مہنگا کام ہے جس کے لیے وافر وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ آبادی میں اضافے کی شرح میں کمی' ۱۵ سے ۵۵ سال کی عمر کے افراد جو کہ ٹیکس دہندگان کا حلقہ ہے' ان کے تناسب میں کمی' اور بوڑھے افراد کے تناسب میں اضافے کی بنا پر بتدریج وسائل اور ٹیکس کے حصول کا تناسب کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں کثیر آبادی والے ممالک میں ۱۵ سے ۵۵ سال کی عمر کے حامل افراد کا تناسب زیادہ ہونے کی بنا پر وسائل اور ٹیکس کے حصول کے امکانات زیادہ پائے جاتے ہیں۔ پھر مہلک ہتھیاروں کا موجود ہونا تحفظ کی یقینی ضمانت بھی نہیں ہے۔ اسرائیل کے پاس ایٹم بم اور دیگر مہلک ہتھیار موجود ہیں لیکن وہ فلسطین کے ان نوجوانوں کے آگے بے بس ہے جو پتھروں اور ڈنڈوں سے ان کا مقابلہ کر رہے ہیں' اس لیے کہ ایٹم بم چلانے کے نتیجے میں اسرائیل خود بھی اس کی لپیٹ میں آتا ہے۔ اگر کوئی نوجوان اپنے ساتھ بم باندھ کر حملہ آور ہو جائے تو اس کے سامنے جہاز اور ٹینک بے بس ہو جاتے ہیں اور وہ ان کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔

فوجی برتری پر آبادی کس طرح سے اثرانداز ہوتی ہے اس کی نشان دہی ایک کتاب: Population and World Power میں بڑے واضح طور پر کی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۱ میں شائع ہوئی تھی جب سرد جنگ اپنے عروج پر تھی۔ مصنفین کیتھرین (Katherine) اور اے ایف کے آرگانسکی (AFK Organski) کے مطابق جدید مہلک ہتھیاروں کی تیاری کے لیے صنعت کی متحمل صرف ایک عظیم اور کثیر آبادی کی قوم ہی ہو سکتی ہے۔ صرف وہی قومی حکومت اس قسم کے ہتھیاروں کی متحمل ہو سکتی ہے جو کروڑوں ٹیکس دہندگان اور اربوں ڈالر سرمایے کی حامل ہو۔

اسی قسم کے خدشات سمیئول ہنٹگٹن کے پیش نظر بھی تھے جب اس نے تہذیبوں کے تصادم (Clash of Civilisations) کا تصور پیش کیا تھا۔ اس نظریے میں بھی' زیادہ اہم بات تہذیبوں کا تصادم نہیں تھی بلکہ آبادی کا مسئلہ ہی تھا۔ اس کے خیال میں کسی گروہ کی عددی قوت یعنی افرادی قوت میں اضافے کے نتیجے میں دوسرے گروہوں پر سیاسی' معاشی اور سماجی دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ زیادہ اہم بات جس کو بیان کرتے ہوئے وہ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتا ہے' وہ یہ ہے کہ یہ عمل کم آبادی والے گروہوں پر فوجی دباؤ بڑھا دیتا ہے۔ یقیناً کم آبادی والے ممالک یورپ اور امریکہ ہی ہیں۔ ہنٹگٹن کو اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی بالخصوص نوجوانوں کا بڑھتا ہوا تناسب' کسی انقلاب یا بڑی تبدیلی کا محرک ثابت نہ ہو' لہٰذا وہ زور دیتا ہے کہ اس کا سدباب بہرحال ہونا چاہیے۔

موجودہ صدی اختتام پذیر ہے۔ آج دنیا کا ہر پانچواں شخص مسلمان ہے۔ مجموعی طور پر مسلمان ایک ارب سے زیادہ ہیں' اور دنیا کی واحد سب سے بڑی آبادی ہیں۔ اسلام آج اس پوزیشن میں ہے کہ وسیع تر

آبادی اور وسائل کی بنا پر ایک وسیع تر بلاک قائم کر سکے۔ اگرچہ بہ ظاہر مسلمانوں میں اس کے دور دور تک آثار نظر نہیں آ رہے' تاہم برٹ ریںڈرسل نے ۱۹۲۹ میں جو پیش گوئی کی تھی کہ عالمی طاقتیں دنیا کے کم ترقی یافتہ ممالک کی صورت حال کی بنا پر ہمیشہ غالب نہیں رہیں گی بلکہ ترقی پذیر ممالک اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر عالمی طاقت کا توازن بدل کر رکھ دیں گے' پوری ہوتی نظر آتی ہے۔

بیسویں صدی کے وسط سے ہی مغربی مفکرین و ماہرین نے آبادی کے تناسب کے حوالے سے جس تشویش کا اظہار کیا تھا اب وہ واضح طور پر سامنے آتی نظر آ رہی ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں آبادی کے اس اضافے کے خلاف مغرب نے جو اقدامات اٹھانا شروع کیے تھے' اب وہ عالمی سطح پر فیصلہ کن مرحلے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ گویا یہ اپنی نوعیت کی منفرد جنگ ہے جس کے اثرات و نتائج اگلی صدی کے ابتدائی سالوں میں نمایاں طور پر سامنے آنے کے امکانات ہیں۔

یورپ بالخصوص امریکہ تحدید آبادی کے منصوبے پر ۱۹۲۰ کے عشرے سے ہی عمل پیرا ہے مگر یہ معاملہ خفیہ تھا' تاہم ۷۰ کے عشرے میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب جاپان امریکہ کے زیر تسلط تھا تو تحدید آبادی منصوبے پر فوری طور پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا۔ اگرچہ امریکی حکومت نے اس کا کبھی کھلے طور پر اعتراف نہ کیا۔ مگر حقائق و شواہد کے مطابق ۱۹۴۰ کے عشرے میں دو معروف امریکی ماہرین آبادیات وارن تھامپسن (Warren Thompson) اور پی کے ویل پٹن (P.K. Whelpton) کو امریکی افواج کے کمانڈر ڈگلس میک آرتھر نے جاپان کی آبادی کے مسئلے پر مشورے کے لیے مدعو کیا۔ اس دوران اس وقت کے امریکی جرنیل ولیم ڈریپر نے جو بعد میں امریکی افواج کے انڈر سیکریٹری بنے' خصوصی طور پر جاپان کے آبادی کے مسئلے پر گفتگو کے لیے دورے کیے۔ یہ دونوں ماہرین آبادیات ۱۹۵۲ میں پاپولیشن کونسل کے تاسیسی اجلاس میں موجود تھے۔ ۱۹۵۸ میں جرنیل ڈریپر کو صدر آئزن ہاور نے اعلیٰ سطحی کمیٹی کا چیئرمین نامزد کیا کہ وہ دوسرے ملکوں کو دی جانے والی امریکی فوجی امداد کا جائزہ لیں۔ یہ وہ پہلا فرد ہے جس نے عوامی سطح پر اس بات کا اعتراف کیا کہ امریکہ ترقی پذیر ممالک کے تحدید آبادی منصوبوں میں براہ راست مالی معاونت کرتا ہے۔

اس طرح بتدریج مختلف ادارے اور تنظیمیں سامنے آتی گئیں جنھیں امریکہ آبادی کے کنٹرول کے لیے مالی امداد دیتا ہے۔ ۱۹۶۷ میں جب سان فرانسسکو کی ایشیا فاؤنڈیشن نے امریکی ایجنسی سی آئی اے کے ذریعے اپنے منصوبوں کو جاری رکھنے کے لیے امریکہ سے فنڈ مانگا تو انکشاف ہوا کہ یہ ادارہ امریکی امداد کے ذریعے امریکی منصوبوں کے لیے کام کرتا ہے۔ ایک باقاعدہ معاہدے کے تحت ایشیا فاؤنڈیشن کو پہلی مرتبہ باقاعدہ یو ایس ایڈ کے تحت مالی امداد دی گئی۔ اس مرتبہ یہ امداد امریکی بجٹ کی ترقیاتی امداد کی مد سے دی گئی۔ اس سے یہ بات واضح طور پر سامنے آ گئی کہ امریکہ ترقی پذیر ممالک میں اپنے منصوبوں پر عمل درآمد کے لیے

ایک عرصے سے کام کر رہا تھا۔ اس سے قبل بھی یہ ادارہ "کمیٹی فار فری ایشیا" کے نام سے ۱۹۵۱ سے مشرق بعید میں کیمونزم کا مقابلہ کرنے کے لیے کام کر رہا تھا۔ بعد میں اس کا نام ایشیا فاؤنڈیشن رکھ دیا گیا۔ اس ادارے کو ایک درجن سے زیادہ ترقی پذیر ممالک میں امریکی منصوبوں بالخصوص خاندانی منصوبہ بندی کے لیے کام کرنے کے لیے فنڈ دیا گیا۔ یہ بات ۱۹۶۷ میں یو ایس ایڈ کی باقاعدہ رپورٹ سے منکشف ہو کر سامنے آئی۔

صرف ایشیا فاؤنڈیشن ہی سی آئی اے سے فنڈ وصول نہیں کرتی تھی بلکہ اور بھی کئی اداروں کی خاندانی منصوبہ بندی کے حوالے سے مالی امداد کی جاتی تھی۔ ان میں The Pathfinder Fund بھی شامل تھا جو کہ Pathfinder International کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس بات کا انکشاف ۱۹۹۵ میں چھپنے والی ایک کتاب: They Will Be Done: Nelson Rockefeller and Evangelism in the Age of Oil میں کیا گیا جس میں لاطینی امریکہ میں خاندانی منصوبہ بندی کے منصوبوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

ایک اور ادارہ جس کا براہ راست سی آئی اے سے معاہدہ ہے وہ افریقی امریکہ انسٹی ٹیوٹ ہے جو سی آئی اے کے تعاون سے ۱۹۵۴ میں قائم کیا گیا تھا۔ پاپولیشن کونسل جو راک فیلر فیملی کے تعاون سے ۱۹۵۲ میں قائم کی گئی تھی، اس کے ابتدائی افسران و ذمہ داران کا بھی کسی نہ کسی انداز سے ان ایجنسیوں سے تعلق تھا جو خاندانی منصوبہ بندی کے لیے کام کر رہی تھیں۔ یہ بات اب واضح ہو چکی ہے کہ یہ مختلف ادارے سی آئی اے کے آبادی کی تحدید کے براہ راست منصوبوں سے قبل کم از کم ایک عشرہ پہلے سے دنیا کی آبادی کو کم کرنے کے لیے کام کر رہے تھے۔

مغرب کے آبادی کی منصوبہ بندی کی ترغیب کے لیے کھل کر کام کرنے کے نتیجے میں فطری طور پر ردعمل سامنے آیا۔ چین کے انقلابی رہنما ماوزے تنگ نے ۱۹۴۹ میں، اپنے اقتدار سنبھالنے سے دو ہفتے قبل خاندانی منصوبہ بندی کی مخالفت کرتے ہوئے واضح طور پر اپنے ایک بیان میں کہا کہ: یہ بہت ہی اچھی بات ہے کہ چین کثیر آبادی کا حامل ہے۔ مغرب کے شرح پیدایش کو کم کرنے کے دباؤ کو رد کرتے ہوئے انھوں نے مزید کہا کہ دنیا کی تمام اشیا میں سے انسان سب سے قیمتی شے ہیں...... کثرت آبادی اور مصنوعات کی بے پناہ دولت کے ساتھ ایک عظیم چین ابھر کر سامنے آئے گا جہاں بھرپور زندگی اور ثقافت پروان چڑھے گی۔ مایوسی پر مبنی تمام نظریات بے بنیاد ہیں۔ ماؤ کے ان افکار کی بنیاد پر اخبارات و جرائد نے مغرب کے اس تصور کو انتقامی، انسانیت دشمنی اور چینیوں کو خون بہائے بغیر قتل کرنے کے مترادف ٹھہرایا۔

خود مغربی مفکرین نے مغرب کی آبادی کی تحدید کی اس مہم کو عالمی پیمانے پر چلانے پر اپنی تشویش کا اظہار کیا اور اس خدشے کا اظہار کیا کہ اس کے خلاف فطری ردعمل سامنے آئے گا اور مغرب کے خلاف نفرت کی ایک فضا بن جائے گی۔ فرانسیسی ماہر آبادیات الفریڈ سووے (Alfred Sauvy) ان میں سے ایک

ہیں جنھوں نے ۵۰ سال قبل اس طرف نشان دہی کی تھی۔

ڈاکٹر آلان گٹ میچر (Dr. Alan Ghttmacher) نے جو پاپولیشن کونسل کے اساسی ارکان سے تھے، ۳۰ سال قبل ایک انٹرویو میں مشورہ دیا تھا کہ: اگر آپ آبادی کم (curb) کرنا چاہتے ہیں تو یہ نہایت ضروری ہے کہ اس کام کو "کم بخت امریکی" (damned yankee) کے بجائے اقوام متحدہ کے ذریعے کیا جائے کیونکہ پھر یہ نسل کشی نہیں سمجھا جائے گا۔ اگر امریکہ کسی سیاہ فام یا زرد فام کو کہتا ہے کہ شرح پیدایش کم کرو تو فوری طور پر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں درپردہ سفید فام کو دنیا میں غالب کرنے کا محرک پوشیدہ ہے۔ اگر آپ اقوام متحدہ کی کثیر رنگ فوج کسی صورت میں بھجوا سکتے ہیں تو آپ بہت بہتر نتیجہ حاصل کر سکیں گے۔

۱۹۶۵ وہ سال ہے جب امریکہ کے آبادی کے پروگرام میں ایک واضح تبدیلی دیکھنے میں آئی۔ اس سال کانگرس نے بیرونی امداد بجٹ سے کچھ رقم خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کے فروغ کے لیے مختص کی۔ اس مد میں رقم کا تناسب ہر سال نمایاں طور پر بڑھتا چلا گیا۔ نومبر ۱۹۶۷ میں جب کہ یو ایس ایڈ پاپولیشن پروگرام ابھی ابتدائی مراحل میں تھا، ایک حکم (directive) جاری کیا گیا جس میں خاندانی منصوبہ بندی پروگرام کو صحیح خطوط پر آگے بڑھانے کے علاوہ اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ اس پروگرام کو بالخصوص ان لوگوں میں مقبول بنانا ہے جو خاندانی منصوبہ بندی میں کسی قسم کی دلچسپی نہیں رکھتے۔ ۱۹۷۶ میں یو ایس ایڈ کے ریویو پینل برائے ایشیا فاؤنڈیشن کی رپورٹ میں واضح طور پر اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ ایشیا فاؤنڈیشن جب سی آئی اے کے لیے کام کر رہی تھی تو خاندانی منصوبہ بندی اس کے ایجنڈے کا ایک حصہ تھا۔ رپورٹ کے مطابق فاؤنڈیشن کا اہم ترین مقصد بیرون ایشیا سے ایسے نئے تصورات کو متعارف کروانا تھا، جو سماجی ڈھانچے اور معاشرتی طاقتوں کو متاثر کر سکتے ہوں۔

اس مقصد کے لیے فاؤنڈیشن مختلف مقامی تنظیموں سے مل کر، انفرادی اور اجتماعی سطح پر، ایشیائی لوگوں میں خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق معلومات اور مختلف طریقوں کو عام کرنے کے لیے کام کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ایشیائی ممالک کی قیادت پر بھی اثرانداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے ممالک میں اس پروگرام میں ان سے تعاون کریں۔ مختلف پروگرام، مطالعاتی دورے، پرائیویٹ ریڈیو اور ٹیلی وژن، ہر طرح کا لٹریچر، اشتہارات، سلائیڈز اور دیگر ذرائع ابلاغ کو فاؤنڈیشن اپنے مقصد کے حصول کے لیے استعمال کرتی ہے۔ اس کے علاوہ خاندانی منصوبہ بندی کے لیے گولیاں اور دیگر اشیا کی عام فراہمی بھی ان کے مقاصد میں شامل ہے۔ یہ ادارہ ایسے تحقیقی منصوبوں کو بھی امداد فراہم کرتا ہے جن کا مقصد خاندانی منصوبہ بندی کے طریقوں کے فروغ پر تحقیق کرنا ہوتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آج امریکی باشندوں کے ٹیکس کا ایک بڑا حصہ آبادی کی تحدید کے عالمی پروگرام

کی نذر ہو رہا ہے۔ واشنگٹن کی بیورو کریسی کی زبان میں اسے طلب پیدا کرنے والا (demand generating) پروگرام کہا جاتا ہے۔ اس پروگرام کے تحت عالمی سطح پر مختلف حربے استعمال کیے جا رہے ہیں۔

ایک' یہ کہ امداد کا بڑا حصہ خاندانی منصوبہ بندی کے پروپیگنڈے پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے کہ وہ ممالک جہاں خاندانی منصوبہ بندی کے مغربی طریقوں کو شرم ناک سمجھا جاتا ہے اور مذہبی یا روایتی طور پر ان کی مخالفت پائی جاتی ہے' خفیہ طور پر ریڈیو اور ٹیلی وژن سے تعاون کیا جائے۔ مختلف پروگراموں میں ایسی شخصیات کو پیش کیا جاتا ہے جو خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں رائے عامہ ہموار کر سکیں۔ کھلے عام پروپیگنڈے کے نتیجے میں شدید ردعمل سامنے آنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ یہ طریقہ موثر ابلاغ کی حکمت عملی کے حوالے سے اپنایا جاتا ہے۔

دوسرا طریقہ مقامی تنظیموں کا قیام اور ان کے ذریعے اہداف کا حصول ہے جسے constituency building کہا جاتا ہے۔ ان تنظیموں کی یو ایس ایڈ کے تحت اور دیگر غیر ملکی ذرائع سے امداد کی جاتی ہے۔ ان تنظیموں کا مقصد خاندانی منصوبہ بندی مراکز چلانا' اور قانونی تبدیلیوں کے لیے راہ ہموار کرنا ہے۔ یہ بنیادی طور پر مغربی ممالک اور ان کے ٹھیکے داروں کے نمایندوں کا کردار ادا کرتی ہیں۔ اس طرح سے خاندانی منصوبہ بندی کا پروگرام اور مغربی ممالک جو اس کی پشت پناہی کرتے ہیں' براہ راست تنقید سے بچ جاتے ہیں۔ یوں بالواسطہ اپنے مقاصد کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔

تیسرا طریقہ پالیسی اختیار کرنے (policy development) کا ہے جس کے تحت سربراہان مملکت اور وزارتوں پر دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ شرح آبادی کو کم کرنے کے لیے پالیسی اپنائیں اور اقدامات اٹھائیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے عام طور پر ترقی پذیر ممالک پر قرضوں یا مخصوص امداد کا حصول' یا قرضوں اور سود میں رعایت جیسے حربے بطور دباؤ استعمال کیے جاتے ہیں۔ جب ایک ملک ان شرائط کو تسلیم کر لیتا ہے تو پھر خاندانی منصوبہ بندی کا یہ پروگرام سرکاری سرپرستی میں چلنے لگتا ہے۔ پھر یہ موقف اپنایا جاتا ہے کہ متعلقہ ممالک نے خاندانی منصوبہ بندی کے لیے ان سے تعاون کی درخواست کی ہے۔

عالمی سطح پر آبادی کی تحدید کا پروگرام اس وقت تک محض ایک نظریہ ہی تھا جب تک یو ایس ایڈ کے تحت اسے مالی معاونت فراہم نہیں کی گئی۔ ابتدا میں جنوب کے علاقوں میں تحدید آبادی کے پروگرام کے لیے بجٹ سے ایک ملین ڈالر مختص کیے گئے۔ ۱۹۸۰ تک پانچ ارب ڈالر سالانہ اس پروگرام کے لیے مختص کیے گئے۔ امداد کی فراہمی کا ایک ذریعہ یورپی ممالک' ایجنسیاں اور بڑا ذریعہ امریکی کنٹرول کے تحت عالمی بنک ہے' جب کہ ان اعداد و شمار میں امریکی کارپوریشنوں اور فاؤنڈیشنوں کے اربوں ڈالر شامل نہیں ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کی آبادی کو کم کرنے کے لیے مغرب کتنا وافر سرمایہ کھپا رہا ہے۔

جنوری ۱۹۹۱ میں راک فیلر پاپولیشن کونسل نے ایک پریس ریلیز جاری کیا جس کے مطابق anti-natalist مہم کے تحت ترقی پذیر ممالک میں ۴۰۰ ملین سے زائد بچوں کی پیدائش روکنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ ان کے اندازے کے مطابق اگلی صدی کے اختتام تک ترقی پذیر دنیا کی آبادی ۲.۲ ارب تک کم ہو جائے گی۔ دوسری طرف کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ ایسا ممکن ہونا مشکل ہے اس لیے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف ردعمل بھی سامنے آ رہا ہے۔ امریکہ میں خارجہ پالیسی بنانے والے افراد میں سے کچھ کو امریکہ کے آبادی کی تحدید اور ابھرنے والی طاقتوں کے نئے بلاک کی تعمیر کے روکنے کے پروگرام میں غیر معمولی کردار پر تشویش ہے۔ ان کے خیال میں امریکہ کی مکمل عالمی بالادستی اور واحد طاقت ہونے کے خدشے سے نئی طاقتوں کے ظہور پذیر ہونے کا عمل غیر معمولی طور پر تیز تر ہو سکتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ۵۰ سال قبل ماہر آبادیات الفریڈ سووے نے عالمی سطح پر آبادی کی تحدید کے پروگرام پر مغرب کے خلاف جس عالمی ردعمل کے خدشے کا اظہار کیا تھا' وہ پیش گوئی پوری ہوتی نظر آ رہی ہے۔ آج دنیا کے ۹۸ فی صد بچے ایشیا' افریقہ' عالم عرب اور لاطینی امریکہ میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اس بات کا انکشاف یو ایس ایڈ کے تحت ایک ایجنسی نے دو سال قبل ایک پریس ریلیز میں کیا تھا۔ یہ اعداد و شمار دنیا کے بدلتے ہوئے توازن کی طرف واضح اشارہ کرتے ہیں۔

اہل مغرب نے دنیا پر غلبے کے لیے تحدید آبادی اور خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے درحقیقت اسلام کو مغلوب کرنے کے لیے جو چال چلی تھی وہ آج انھی کے لیے وبال جان بن گئی ہے۔ آج مسلمان دنیا کی سب سے بڑی آبادی اور ایک عالمی جغرافیائی بلاک بنانے کی پوزیشن میں ہیں۔ مغرب کے مقابلے میں مسلم نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ابھر کر سامنے آ رہی ہے۔ جذبہ جہاد آج ایک حقیقت ہے۔ کل کے مقابلے میں آج کئی نئے محاذوں پر مسلمان مصروف جہاد ہیں اور اپنی جان و مال کی قربانیوں سے اپنے عزائم و ولولوں کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ اسلامی تحریکیں عالمی سطح پر اپنا وجود تسلیم کروا رہی ہیں اور متبادل قیادت کے لیے آگے بڑھتی نظر آتی ہیں' جب کہ مغرب کا سحر ٹوٹتا اور غلبہ مٹتا نظر آتا ہے۔

آج جہاں آبادی کی تحدید اور خاندانی منصوبہ بندی کا نظریہ مجموعی طور پر اپنے نتائج کے لحاظ سے ناکامی سے دوچار ہے' وہاں یہ اسلام کی حقانیت کی بھی ایک دلیل ہے کہ خدا ہی وہ ہستی ہے جو کائنات کا نظام چلا رہی ہے' اور وہی ایک ذات ہے جو نقائص سے پاک اور صحیح نظام زندگی انسانیت کو عطا کر سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن ہی وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے (ماخوذ: امپیکٹ' لندن' جولائی ۱۹۹۹)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

جو شخص کسی ظالم کو ظالم جانتے ہوئے اس کا ساتھ دے

وہ اسلام سے نکل گیا۔

تیونس میں اسلام کی حالت زار

محمد ظہیرالدین بھٹی

شمالی افریقہ (جسے مغرب بھی کہا جاتا ہے) کے ایک اہم ملک تیونس میں ۲۴ اکتوبر کو عام اور صدارتی انتخابات ہونا ہیں' جس کے نتائج حسب توقع ہونا یقینی ہیں۔ صدر زید بن علی کو گذشتہ صدارتی انتخاب (مارچ ۱۹۹۴) میں ۹۹ فی صد ووٹ ملے تھے۔ عرب دنیا کے حکمرانوں کے مقبول ہونے کی فی صد عموماً یہی ہے۔ گذشتہ دنوں حسنی مبارک بھی مصر میں اس فارمولے کے مطابق تیسری دفعہ صدر منتخب ہوئے ہیں۔ بن علی نے اس دفعہ دوسرے امیدوار کھڑے ہونے کی گنجایش دی ہے' کچھ افراد نے کاغذات جمع کروائے ہیں' النہضہ الاسلامیہ نے بھی ڈماکریٹک پارٹی کے سید مواعدہ کی حمایت کا اعلان کیا ہے۔ پارلیمنٹ کے لیے ۱۸۲ نشستوں کا انتخاب ہو گا۔ کل ۳۵ لاکھ ووٹر ہیں۔

آزادی کے بعد پہلے صدر حبیب بورقیبہ نے ۳۰ سالہ عہد حکومت میں کمال اتاترک کے نقش قدم پر چلتے ہوئے (معلوم نہیں نئے حکمرانوں کو اتاترک کیوں پسند ہوتا ہے!) اسلامی تہذیب و تمدن کے مرکز اس ملک کو سیکولر خطوط میں ڈھالنے کے لیے ہر طرح کے اقدامات کیے۔ بالآخر ۱۹۸۷ میں زید بن علی نے انھیں برطرف کر کے اقتدار سنبھالا۔ بن علی سے ابتدا میں اچھی توقعات تھیں لیکن پھر سب کچھ اسی طرح ہونے لگا۔ اسلامی تحریک کے افراد مظالم کا شکار ہوئے۔ آج بھی ہزاروں کارکن مرد اور عورتیں جیل میں ہیں۔ تحریک کے رہنما راشد الغنوشی جلاوطن ہیں۔ انسانی حقوق مفقود ہیں لیکن جمہوریت کا لبادہ اوڑھے رکھنے کے لیے انتخابات کا ڈراما شاید مجبوری ہے۔ لیکن جمہوریت کی عملی شکل ریاستی طاقت سے عوام کو کچلنا' اور ان کی مرضی کے خلاف حکومت سے چمٹے رہنا ہے۔ آیئے دیکھیں کہ مسلمانوں کی ۹۵ لاکھ آبادی کے اس ملک کے شہریوں کے ساتھ ان کے مسلمان حکمرانوں نے کیا کچھ کیا ہے۔

تیونس ۲۰ مارچ ۱۹۵۶ کو فرانسیسی تسلط سے آزاد ہوا۔ ۱۳ اگست ۱۹۵۶ کو سرکاری ضابطہ قوانین جاری ہوا جس پر عمل درآمد یکم جنوری ۱۹۵۷ سے شروع ہوا۔ اس ضابطے کے زیادہ تر قوانین شریعت اسلامی کے بالکل مخالف و متضاد بلکہ اس سے متصادم ہیں۔ آزادی کے بعد سے اسلام' تیونس میں سخت دباؤ اور

مظلومیت کا شکار چلا آ رہا ہے۔ اب تو اسلام کے اصول و فروع' احکام و اخلاق اور آداب سب کچھ شدید خطرے سے دوچار ہیں۔ یہاں پر شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ **شرعی عدالتوں کا خاتمہ اور واحد عدالتی نظام:** پورے ملک میں شرعی عدالتوں کی تنسیخ کا کام آزادی کے بعد ہوا۔ انھیں عام عدالتوں میں ضم کر دیا گیا۔

۲۔ **جامعہ الزیتونہ کے اسلامی تشخص کا خاتمہ:** جامعہ الزیتونہ کا شمار عالم اسلام کی قدیم ترین اسلامی یونی ورسٹیوں میں ہوتا ہے' اسے اموی گورنر عبداللہ بن الحجاب نے ۱۱۴ھ (۷۳۲ء) میں تعمیر کروایا تھا۔ یہ جامعہ پورے شمالی افریقہ میں اسلام اور عربی زبان کی حفاظت کا قلعہ رہی ہے۔ مگر اب اس کا اسلامی تشخص ختم کر دیا گیا ہے' مخلوط تعلیم رائج ہے' جمعہ کے بجائے اتوار کے دن چھٹی ہوتی ہے' اور موسیقی اور سرود کے کلبوں میں نمایندگی کی جاتی ہے۔ اس کا اپنا ایک ریڈیو اسٹیشن ہے جہاں سے جامعہ میں گانے نشر کیے جاتے ہیں۔ طالبات کے ووٹ کے مقابلے مردوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ گانے بجانے کی محفلوں کے لیے گلوکار مردوں اور عورتوں کو باقاعدہ مدعو کیا جاتا ہے۔ رمضان میں بھی یہ پروگرام ہوتے ہیں اور ان محفلوں میں شرکت کی دعوت ادارے کے ڈائرکٹر کی طرف سے دی جاتی ہے۔ جامعہ میں طلبہ کی تعداد' فرانسیسی قبضہ کے عہد میں ۳۰ ہزار سے زیادہ ہوتی تھی مگر اب آزادی کے دور میں کل تعداد ۱۵ ہزار ہے۔ ان میں سے ۸۵ فی صد طالبات ہیں' جن کے لیے بے حجاب ہونا لازمی ہے' نیز جامعہ کے اندر موجود تیراکی کے تالاب میں' تیراکی کا مخصوص لباس زیب تن کر کے نہانا لازم ہے۔

۳۔ **شرعی اوقاف کا خاتمہ:** جامعہ زیتونہ کے طلبہ اور علما کے لیے وقف کردہ تمام شرعی اوقاف ضبط کر لیے گئے ہیں۔ اسی طرح ملک کی دیگر تمام مساجد اور خیراتی اداروں کے تمام اوقاف' زمینیں' جائدادیں ختم کر دی گئی ہیں۔ کئی چھوٹی مسجدوں کو گوداموں میں اور سٹوروں میں بدل دیا گیا ہے۔

۴۔ **رمضان کے روزوں پر پابندی:** حکومت تیونس رمضان کے روزے رکھنے کو بہ نظر ناپسندیدگی دیکھتی ہے کہ روزہ رکھنے سے پیداوار کم ہو جاتی ہے اور ملکی ترقی اور پیش رفت میں رکاوٹ پڑتی ہے۔

۵۔ **قرآن اور رسول اکرمؐ پر الزامات و اتہامات:** سابق صدر حبیب بورقیبہ نے قرآن پر الزام لگایا کہ اس میں تضاد پایا جاتا ہے۔ اس نے (معاذ اللہ) سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو بھی بیہودہ سرائی کا نشانہ بنایا (ان کے بے ہودہ الزامات نقل کرنا بھی آپؐ کی شان مبارک میں توہین ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: تیونس سے شائع ہونے والا اخبار صحیفۃ الصباح مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۷۴ء ملاحظہ کریں)۔

۶۔ **شریعت اسلامی پر نقص کا الزام:** سابق صدر بورقیبہ نے اپنے ایک خطاب میں عورت و مرد کی مساوات پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ہم' عورتوں کی ترقی میں حائل سب رکاوٹوں کو دور کریں گے اور ہر سطح

پر مرد و زن میں کامل مساوات قائم کریں گے۔ قرآنی حکم کہ میت کے ترکے میں ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے' کی رکاوٹ کو بھی دور کر کے دم لیں گے۔ ہم اس مسئلے کے حل کے لیے اجتہاد سے کام لیں گے تاکہ شرعی احکام کو زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جا سکے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مجلہ الدستور' شمارہ ۵۸۷' مورخہ ۸ اگست ۱۹۸۳)۔

۷۔ متبنی بنانے کی اجازت: قرآن حکیم نے صاف الفاظ میں متبنی (منہ بولا بیٹا' بیٹی) بنانے کو ممنوع قرار دیا ہے مگر حکومت تیونس نے اس شرعی حکم کی مخالفت کرتے ہوئے ۴ مارچ ۱۹۵۸ کو صادر ہونے والے اپنے قانون نمبر ۲۷ میں اسے جائز قرار دیا ہے۔ قانون کی ذیلی شق ۱۵ کی رو سے: "متبنی کو' قانونی بیٹے کے حقوق حاصل ہوں گے' نیز اس پر وہی فرائض عائد ہوں گے"۔

۸۔ خاندانی ڈھانچے کی تباہی: حکومت نے وقتاً فوقتاً ایسے قوانین جاری کیے ہیں جن سے تیونسی خاندان کا شیرازہ بکھر کے رہ گیا ہے۔ اس نے عورت کو اخلاق باختگی کی اجازت دی ہے۔ بیوی کو یہ قانونی تحفظ دیا ہے کہ خاوند' اپنی بیوی کے اخلاقی طرز عمل سے چشم پوشی کرے گا۔ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کو زنا کا مرتکب پاکر اسے پکڑ لیتا ہے تو یہ گویا بیوی کے ذاتی معاملات میں مداخلت متصور ہو گا اور ایسا شوہر سزائے موت تک کا مستوجب ہو گا۔

۹۔ معاہدہ نیویارک پر دستخط: حکومت نے شرعی احکام و قوانین کو نظرانداز کرتے ہوئے' اقوام متحدہ کے شادی کی آزادی کے معاہدے پر دستخط کر دیے ہیں' جس کی رو سے عورت کے خلاف تمام امتیازی قوانین کالعدم ہیں۔ ایک غیر مسلم کو اجازت ہے کہ وہ ایک تیونسی مسلم خاتون سے شادی رچائے' اور اس کے لیے صرف ایک مرد و عورت کی گواہی کو کافی قرار دیا گیا ہے۔ تیونسی ارکان پارلیمان نے بھی اس معاہدے کی توثیق کر دی ہے۔

۱۰۔ مسلم مستورات کے لیے شرعی لباس کی ممانعت: قانون نمبر ۱۰۸ کے مطابق مسلم عورت کے لیے' تمام سرکاری محکموں اور تعلیمی اداروں میں شرعی لباس پہننا ممنوع قرار دیا گیا ہے' اس لیے کہ اس سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے' نیز یہ انتہا پسندی کی علامت ہے۔ باپردہ لباس پہننے والی خواتین پر' علاج کے لیے ہسپتالوں میں داخلے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ محض نماز کی ادائیگی اور اسلامی لباس پہننے کے جرم میں خواتین کو گرفتار کر کے مقدمہ چلایا جاتا ہے اور سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔

۱۱۔ سرکاری اداروں میں قائم مساجد کا انہدام: آرڈی ننس نمبر ۲۹ کی رو سے تمام وہ مساجد منہدم کر دی جائیں گی جو پرائیویٹ اور پبلک محکموں میں قائم ہیں' جیسے یونی ورسٹیوں اور تعلیمی اداروں کی مساجد' ہسپتالوں' بندرگاہوں' فیکٹریوں اور سرکاری محکموں میں موجود مساجد۔ مزدوروں اور ملازمین پر ڈیوٹی کے

دوران نماز پڑھنے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔

۱۲۔ **قانون مساجد کا اجرا:** اس قانون کی رو سے مسجدوں میں درس قرآن دینے اور املا کروانے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزائیں دی جائیں گی۔ قانون پر عمل درآمد کے لیے حکومت نے پولیس کی ایک مخصوص جمعیت' مساجد کی نگرانی پر مامور کر دی ہے۔ ہر نماز کے وقت مسجد صرف ۲۰ منٹ کے لیے کھلتی ہے۔ اس کے بعد' پولیس کی یہ نفری' مساجد کو نمازیوں سے خالی کرانے کی کارروائی کرتی ہے' نمازیوں کو باہر نکالتی ہے' تاخیر سے آنے والوں کو مسجد میں داخل نہیں ہونے دیتی۔ اس قانون سے جامعہ الزیتونہ بھی مستثنیٰ نہیں ہے' البتہ اسے غیر ملکی سیاحوں کی آمد پر کسی وقت بھی کھول دیا جاتا ہے۔

۱۳۔ **مساجد میں نوجوانوں کی آمد ان کی انتہا پسندی کا ثبوت:** تیونس میں نوجوان نمازیوں کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے' ان کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ کسی ممنوعہ انتہا پسند تنظیم سے وابستہ ہیں یا کسی دہشت گرد جماعت کے ارکان ہیں۔ حکومت کے اس رویے نے مسجدیں ویران کر دی ہیں اور نوجوان مسجدوں کا رخ کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ مسلم نوجوان' پولیس افسران کے سامنے' عمداً' اپنے دینی احساسات چھپاتے ہیں۔ صبح سویرے اٹھ کر وقت پر نماز ادا کرنا حکومت کے نزدیک انتہا پسندی اور دہشت گردی کی نشانی ہے اور یہ نوجوان سزا اور قید کے مستحق ہیں۔ پولیس صبح سویرے روشن ہونے والے گھروں کی بھی نگرانی کرتی ہے۔ اب حال یہ ہے کہ لوگ گھروں میں' چھپ کر' اندھیرے میں نماز پڑھتے ہیں۔ پولیس مشکوک نوجوانوں سے تفتیش کرتے وقت پہلا سوال یہ کرتی ہے کہ وہ نماز پڑھتا ہے یا نہیں؟ جواب اثبات میں ہو' تو اسے طرح طرح کی سزائیں دی جاتی ہیں اور اس سے یہ اعتراف کرایا جاتا ہے کہ وہ "اخوانجی" ہے' یعنی اخوان کی طرف منسوب ہے۔ تیونس میں "اخوانجی" ہونا گویا ایک گالی ہے۔ اگر نوجوان اپنے نمازی ہونے کی نفی کر دے' دین سے اعلان بیزاری کرے مگر پھر بھی پولیس کو اس کے بارے میں شک ہو' تو وہ اسے دین اسلام اور ذات الٰہی کو گالی بکنے کا حکم دیتی ہے۔ مزید رفع شک کے لیے گلاس میں شراب ڈال کر پینے کے لیے کہتی ہے۔

۱۴۔ **اسلامی لٹریچر کی چھانٹی کے لیے کمیٹی کا قیام:** ایک کمیونسٹ ملحد کی سربراہی میں اعلیٰ کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو اسلامی کتابوں کا جائزہ لیتی ہے اور پھر ایسی تمام کتابوں کو کتب خانوں سے ضبط کر لیا جاتا ہے' دکانوں اور نمائشوں میں ان کا رکھنا ممنوع ٹھہرایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ حکومت کے خیال میں اسلامی کتابیں' انتہا پسندی کا منبع ہیں۔ مساجد میں قائم لائبریریوں کو "بدعت" قرار دے کر ختم کر دیا گیا ہے۔

۱۵۔ **رقص و سرود کے مخلوط کلبوں کا پھیلاؤ:** شہروں' قصبوں اور دیہات میں رقص و سرود کے مخلوط

کلب وسیع پیمانے پر قائم کر دیے گئے ہیں۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو ان میں شمولیت کی ترغیب دی جاتی ہے، اور والدین اور سرپرستوں کو شرکت پر روکنے سے ڈرایا دھمکایا جاتا ہے۔

۱۶۔ جادو، علم نجوم اور تونے ٹوٹکے کی ترغیب : عقیدہ توحید کو کمزور کرنے اور لوگوں کے دلوں سے ایمان کو محو کرنے کے لیے، گھروں کو اجاڑنے، بے حیائی اور بدکاری کے فروغ کے لیے حکومت جادو، ٹونے ٹوٹکے اور کہانت کے فروغ میں دلچسپی لیتی ہے۔ حکومت جادوگروں اور نجومیوں کو اپنے دفاتر کھولنے کی اجازت دیتی ہے، اخبارات اور رسالوں میں ان کے اشتہارات شائع کیے جاتے ہیں۔

۱۷۔ ثقافت کے نام پر بے حیائی و بدکاری کی حوصلہ افزائی : حکومت تیونس نے ایک وڈیو فلم کو تیونس کے دور جدید کے لیے باعث فخر قرار دیتے ہوئے اس میں کام کرنے والوں کو سرکاری انعام اور ثقافتی میڈل سے نوازا ہے۔ اس میں، عورتوں کے حمام میں ایک نوجوان کو دکھایا گیا ہے جو بالکل برہنہ عورتوں کے قابل ستر مقامات کو گھور گھور کر دیکھ رہا ہے۔ مائیکل جیکسن گلوکار کا خود وزیر ثقافت نے ایئرپورٹ پر شان دار خیر مقدم کیا اور لوگوں نے اس کے پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

۱۸۔ الحاد و زندقہ کا فروغ : پبلک مقامات، سرکاری مجالس، عام محافل اور ادبی نشریات میں الحاد و زندقہ کی لہر عام ہو رہی ہے اور قابل تکریم رشتوں اور ہستیوں کی توہین و بے قدری فیشن بنتا جا رہا ہے۔ تیونس میں خدائے ذوالجلال کی شان میں گستاخی اور گالیاں بکنے کی ایسی بری رسم ہے کہ دنیا میں کہیں نہیں پائی جاتی۔

۱۹۔ مخلوط ہوسٹل : تیونس میں یونی ورسٹیوں میں مخلوط ہوسٹل تعمیر کیے گئے ہیں جس سے اخلاقی اور جنسی بے راہ روی میں اضافہ ہوا ہے۔ حالت یہ ہے کہ یونی ورسٹی انتظامیہ کی طرف سے طلبہ اور طالبات کو کنڈوم دیے جاتے ہیں۔

۲۰۔ اسرائیل کو تسلیم کرنا : صیہونی مملکت کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے گئے ہیں۔ تیونس اب بدکاری اور جنسی بے راہ روی کا ملک بن چکا ہے۔ وزارت صحت کی طرف سے بندرگاہوں پر قائم دفتر، غیر ملکی سیاحوں کو ایک کارڈ دیتا ہے، اس کارڈ پر لکھا ہے "ہر مشتبہ جنسی عمل کے وقت کنڈوم استعمال کیجیے"۔

۲۱۔ اسلامی سلام دعا کے الفاظ کا خاتمہ : تیونس سے اسلام کے نشانات مٹانے کے لیے اب "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کے الفاظ بھی ممنوع قرار پا چکے ہیں۔ کیونکہ سرکار کی نظر میں یہ انتہا پسندی اور دہشت گردی کی علامت ہیں۔ یہ شدت پسندوں، بنیاد پرستوں اور اخوانجیوں (اخوان المسلمون والوں) کا سلام ہے۔ حکام نے ٹیلی وژن، قومی اور مقامی ریڈیو پر "السلام علیکم" کے الفاظ کے استعمال پر پابندی لگا دی ہے۔ عوام نے بھی الزام سے بچنے کے لیے ان الفاظ کو ترک کر دیا ہے۔

مظلومیت کا شکار چلا آ رہا ہے۔ اب تو اسلام کے اصول و فروع' احکام و اخلاق اور آداب سب کچھ شدید خطرے سے دوچار ہیں۔ یہاں پر شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ شرعی عدالتوں کا خاتمہ اور واحد عدالتی نظام: پورے ملک میں شرعی عدالتوں کی تنسیخ کا کام آزادی کے بعد ہوا۔ انھیں عام عدالتوں میں ضم کر دیا گیا۔

۲۔ جامعہ الزیتونہ کے اسلامی تشخص کا خاتمہ: جامعہ الزیتونہ کا شمار عالم اسلام کی قدیم ترین اسلامی یونی ورسٹیوں میں ہوتا ہے' اسے اموی گورنر عبداللہ بن الحباب نے ۱۱۴ھ (۷۳۲ء) میں تعمیر کروایا تھا۔ یہ جامعہ پورے شمالی افریقہ میں اسلام اور عربی زبان کی حفاظت کا قلعہ رہی ہے۔ مگر اب اس کا اسلامی تشخص ختم کر دیا گیا ہے' مخلوط تعلیم رائج ہے' جمعہ کے بجائے اتوار کے دن چھٹی ہوتی ہے' اور موسیقی اور سرود کے کلبوں میں نمایندگی کی جاتی ہے۔ اس کا اپنا ایک ریڈیو اسٹیشن ہے جہاں سے جامعہ میں گانے نشر کیے جاتے ہیں۔ طالبات کے دوڑ کے مقابلے مردوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ گانے بجانے کی محفلوں کے لیے گلوکار مردوں اور عورتوں کو باقاعدہ مدعو کیا جاتا ہے۔ رمضان میں بھی یہ پروگرام ہوتے ہیں اور ان محفلوں میں شرکت کی دعوت ادارے کے ڈائریکٹر کی طرف سے دی جاتی ہے۔ جامعہ میں' طلبہ کی تعداد' فرانسیسی قبضہ کے عہد میں ۳۰ ہزار سے زیادہ ہوتی تھی مگر اب آزادی کے دور میں کل تعداد ۶۵ ہزار ہے۔ ان میں سے ۸۵ فی صد طالبات ہیں' جن کے لیے بے حجاب ہونا لازمی ہے' نیز جامعہ کے اندر موجود تیراکی کے تالاب میں' تیراکی کا مخصوص لباس زیب تن کر کے نہانا لازم ہے۔

۳۔ شرعی اوقاف کا خاتمہ: جامعہ زیتونہ کے طلبہ اور علما کے لیے وقف کردہ تمام شرعی اوقاف ضبط کر لیے گئے ہیں۔ اسی طرح ملک کی دیگر تمام مساجد اور خیراتی اداروں کے تمام اوقاف' زمینیں' جایدادیں ختم کر دی گئی ہیں۔ کئی چھوٹی مسجدوں کو گوداموں میں اور سٹوروں میں بدل دیا گیا ہے۔

۴۔ رمضان کے روزوں پر پابندی: حکومت تیونس رمضان کے روزے رکھنے کو بہ نظر ناپسندیدگی دیکھتی ہے کہ روزہ رکھنے سے پیداوار کم ہو جاتی ہے اور ملکی ترقی اور پیش رفت میں رکاوٹ پڑتی ہے۔

۵۔ قرآن اور رسول اکرمؐ پر الزامات و اتہامات: سابق صدر حبیب بورقیبہ نے قرآن پر الزام لگایا کہ اس میں تضاد پایا جاتا ہے۔ اس نے (معاذ اللہ) سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو بھی ہرزہ سرائی کا نشانہ بنایا (ان کے بے ہودہ الزامات نقل کرنا بھی آپؐ کی شان مبارک میں توہین ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: تیونس سے شائع ہونے والا اخبار صحیفۃ الصباح مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۷۴ ملاحظہ کریں)۔

۶۔ شریعت اسلامی پر نقص کا الزام: سابق صدر بورقیبہ نے اپنے ایک خطاب میں عورت و مرد کی مساوات پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ہم' عورتوں کی ترقی میں حائل سب رکاوٹوں کو دور کریں گے اور ہر سطح

عباس علی خانؒ: کارنامہ زندگی

۱

پروفیسر خورشید احمد

عباس علی خانؒ برعظیم کی تحریک اسلامی کے ایک مضبوط ستون تھے۔ مشرقی پاکستان اور پھر بنگلہ دیش میں ۴۵ سال تحریک کی آبیاری کی اور اسے ایک لہلہاتی ہوئی کھیتی کی شکل میں چھوڑ کر ۳ اکتوبر ۱۹۹۹ کو رب اعلیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

عباس علی خانؒ سے میری پہلی ملاقات ۱۹۵۵ میں ڈھاکہ میں ایک تحریکی پروگرام کے موقع پر ہوئی جب وہ جماعت میں نئے نئے شامل ہوئے تھے اور راج شاہی میں جماعت کی قیادت کر رہے تھے۔ پھر جب ۱۹۶۲ میں وہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تو صبح وشام ان سے ملنے اور ملکی اور تحریکی مسائل پر گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ عباس علی خانؒ کا علمی ذوق بڑا نکھرا ہوا تھا اور مطالعہ وسیع تھا۔ فکر مودودی کے عاشق تھے اور بنگلہ زبان میں ترجمان بھی۔ گفتگو میں متانت، اور کم گوئی کے باوجود دوسرے کو قائل کر لینے کی صلاحیت تھی۔ بنگلہ کے بہت اچھے مقرر تھے لیکن اردو اور انگریزی میں بھی صاف ستھرا خطاب کر لیتے تھے۔ سیاسی مسائل پر ان کی رائے بڑی نپی تلی ہوتی تھی۔ تحریک اسلامی کو انھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ سیاسی زندگی کا آغاز شیر بنگال سر فضل حق کے معاون کی حیثیت سے کیا۔ کئی سال ایک ہائی اسکول کے صدر مدرس رہے لیکن ان کے اصل جوہر جماعت میں آنے کے بعد کھلے۔ راج شاہی کو تحریک کا مضبوط قلعہ بنایا۔ پھر مرکز میں ذمہ داریاں سنبھالیں۔ زبان اور قلم دونوں سے اسلامی فکر و دعوت کی ترویج کا کام انجام دیا۔ مغربی پاکستان کے بھی گوشے گوشے کا سفر کیا اور مولانا ابوالکلام محمد یوسف کے ساتھ اسلام کا پیغام سادہ زبان میں بیان کیا اور ہر جگہ امت اسلامیہ پاکستان کی وحدت کا نغمہ سنایا۔

بنگلہ دیش بننے کے بعد پروفیسر غلام اعظم کی عدم موجودگی اور پھر شہریت سے محرومی کے دور میں میر کارواں کی ذمہ داریاں بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیں اور تحریک کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ میں نے ہمیشہ

عباس علی خانؒ کو ایک خاموش معمار کی شکل میں دیکھا اور ان کی دعوتی اور تنظیمی دونوں صلاحیتوں کا دل کی گہرائیوں سے معترف رہا۔ میرے ساتھ ان کا معاملہ ہمیشہ ایک مشفق بھائی کا سا رہا۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس کے اعلیٰ مقامات میں ان کو جگہ دے۔ (آمین)

۲

عبدالشہید نسیم ○

مفکر اسلام، قائد تحریک اسلامی محترم عباس علی خانؒ ۳ اکتوبر ۱۹۹۹ کو رفیق اعلیٰ کے مہمان بن گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا ڈھاکہ میں انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۸۵ برس تھی۔

مرحوم عباس علی خان تحریک اسلامی کے لیے ایک روشن مینار تھے۔ تحریک اسلامی بنگلہ دیش کی تاریخ ان کی عظیم خدمات اور کارناموں سے ہمیشہ درخشاں رہے گی۔ بنگلہ دیش کے میدان سیاست کے وہ صف اول کے رہنماؤں میں سے تھے۔ ۱۴ سال جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے قائم مقام امیر رہے۔ تزکیہ و تربیت کے حوالے سے وہ ایک بہترین مربی تھے۔ تحریک اسلامی کے فکری رہنما اور مفکر اسلام کی حیثیت سے نہ صرف بنگلہ دیش میں بلکہ عالم اسلام میں معروف تھے۔

عباس علی خانؒ کی ولادت ۱۹۱۴ میں آبائی ضلع جے پور ہاٹ میں ایک مسلمان گھرانے میں ہوئی۔ اصلاً وہ پٹھان تھے۔ ان کے آبا و اجداد پختون تھے اور افغانستان سے ہجرت کر کے یہاں آئے تھے۔ ۱۹۳۰ میں ہوگلی (مغربی بنگال) کے نیو اسکیم مدرسے سے انھوں نے میٹرک پاس کیا۔ پھر ۱۹۳۵ میں کلکتہ یونی ورسٹی سے امتیازی حیثیت میں بی اے کیا اور سرکاری ملازمت کر لی۔ ۱۹۴۷ تک وہ سرکاری ملازم رہے۔ دوران ملازمت متحدہ بنگال کے وزیراعلیٰ ابوالقاسم فضل الحق کے پرسنل سیکرٹری بھی رہے۔ ۱۹۴۰ میں جب قرارداد لاہور منظور کی گئی تو اس موقع پر فضل الحق کے ساتھ عباس علی خان بھی جلسے میں موجود تھے۔ ۱۹۵۲ سے لے کر ۱۹۵۷ تک وہ جے پور ہاٹ ہائی اسکول میں بطور صدر مدرس خدمات انجام دیتے رہے۔ بنیادی طور پر ان کا ایک مذہبی گھرانے سے تعلق تھا۔ وہ طریقت اور تصوف کے قائل تھے۔ جماعت اسلامی میں شمولیت سے قبل وہ فورفورہ کے پیر عبدالحی صدیقی کے مرید اور خلیفہ تھے۔

تحریک اسلامی میں شمولیت: عباس علی خانؒ دسمبر ۱۹۵۴ میں جماعت اسلامی کے ایک جلسے میں شریک ہوئے۔ پروفیسر غلام اعظم اس جلسے سے بطور مہمان خصوصی خطاب فرما رہے تھے۔ اس موقع پر

○ ڈائرکٹر، سید مودودی ریسرچ اکیڈمی، ڈھاکہ، بنگلہ دیش

انھوں نے پروفیسر غلام اعظم سے ملاقات کی۔ یہ ان کا جماعت اسلامی سے پہلا تعارف تھا۔ جولائی ۱۹۵۶ میں وہ رکن بنے۔ عباس علی خانؒ رکنیت کے حلف کے واقعے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "جب میں نے رکنیت کا حلف پڑھا تو اسی وقت میں نے اپنی جان و مال خدا کے پاس فروخت کر دی۔ یوں لگا جیسے اب مجھے صراط المستقیم ملا ہو۔ اس سے پہلے میں طریقت اور تصوف کا قائل تھا لیکن اطمینان قلب نہیں تھا۔ میں خدا کا شکر گزار ہوں۔ ورنہ اگر اور کئی سال اس راستے پر چلتا رہتا تو باطل کے خلاف جہاد کرنے کی قوت ہی مجھ سے سلب ہو جاتی اور میں میدان جہاد سے ہٹ کر ساری زندگی کے لیے کسی آستانے میں بیٹھ جاتا (تذکرہ زندگی)۔

مرحوم عباس علی خان بہت اچھی اردو جانتے تھے۔ انھوں نے اردو زبان ہی میں سید مودودیؒ کی تمام کتابیں پڑھیں۔ جب ۱۹۵۶ میں سید مودودیؒ نے پہلا مرتبہ مشرقی پاکستان کا سفر کیا، اس وقت عباس علی خانؒ کو پہلی مرتبہ مولانا مودودیؒ کی صحبت اور قربت کا شرف حاصل ہوا۔ وہ ایک معروف استاد اور ہیڈ ماسٹر تھے۔ تحریکی کام کی ضرورت اور تقاضوں کے پیش نظر انھوں نے جماعت کے فیصلے پر جنوری ۱۹۵۷ میں اسکول سے استعفا دے دیا۔

تحریکی ذمہ داریاں : عباس علی خانؒ نے اپنی تمام صلاحیتوں اور توانائیوں کو دین کی سربلندی اور فریضہ اقامت دین کے لیے وقف کر دیا۔ ۱۹۵۷ سے سقوط مشرقی پاکستان تک وہ جماعت اسلامی راج شاہی ڈویژن کے امیر رہے۔ بنگلہ دیش بننے کے بعد انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ وہ دو سال تک جیل میں رہے۔ پھر ڈھاکہ میں خفیہ طور پر دعوت کا کام شروع کیا گیا، اس لیے کہ اس وقت جماعت اسلامی کو ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔

۱۹۷۹ میں جماعت اسلامی نے اپنے نام سے علی الاعلان کام شروع کیا۔ اس موقع پر اجتماع ارکان بلایا گیا اور عباس علی خانؒ ہی نے جماعت اسلامی کے نام سے باقاعدہ کام کرنے کا اعلان کیا۔ وہ اس وقت سے اپنی وفات تک مرکزی نائب امیر کی ذمہ داری پر فائز رہے۔ امیر جماعت پروفیسر غلام اعظم کے شہریت کے مسئلے کی وجہ سے وہ ۱۹۷۹ سے ۱۹۹۲ تک قائم مقام امیر جماعت اسلامی بنگلہ دیش بھی رہے۔ پھر چند مہینے کے بعد جب حکومت نے پروفیسر غلام اعظم کو گرفتار کر لیا تو اس وقت (۹۳-۱۹۹۲) بھی عباس علی خان مرحوم ۱۴ مہینے قائم مقام امیر رہے۔ جب بھی امیر جماعت بیرون ملک دورے پر جاتے تو قائم مقام امیر کی ذمہ داری ان ہی کے سپرد کی جاتی۔ اس طرح سے وہ مختلف اہم تحریکی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ وہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ریسرچ اکیڈمی کے چیئرمین بھی رہے۔ انھوں نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ انھوں نے ۱۸ کتب تصنیف کیں، جب کہ ۱۳ کتابوں کا بنگالی زبان میں ترجمہ کیا۔ انھوں نے "تعلیم الاسلام اکیڈمی اور کالج" کے نام سے ایک بڑا ادارہ ایک ٹرسٹ کے تحت قائم کیا۔

سیاسی خدمات: عباس علی خانؒ ۱۹۶۲ میں پاکستان قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اس انتخاب میں جماعت اسلامی کے چار امیدوار قومی اسمبلی کے لیے منتخب ہوئے تھے۔ چاروں مشرقی پاکستان سے تھے۔ عباس علی خانؒ اس وقت جماعت اسلامی پارلیمانی گروپ کے سربراہ تھے۔ انھوں نے اسمبلی میں اسلام اور جمہوری اقدار کے فروغ کے لیے بھرپور آواز بلند کی اور نمایاں کردار ادا کیا۔

جب ایوب خان نے مسلم فیملی لا آرڈی ننس پیش کیا جو اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف تھا تو اس وقت اس کے خلاف آواز بلند کرنے والے عباس علی خانؒ ہی تھے۔ انھوں نے اس کے خلاف ترمیمی بل پیش کیا۔ اس سے ایک روز قبل ۳ جولائی ۱۹۶۲ کو ایوب خان نے عباس علی خانؒ کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ اس موقع پر مہمان نوازی کے ساتھ ساتھ انھوں نے انھیں اس آرڈی ننس کی مخالفت میں ترمیمی بل پیش نہ کرنے کے لیے بھی کہا۔ لیکن ایوب خان کے تمام تر اثر و رسوخ اور رعب داب کے باوجود انھوں نے حق کی آواز بلند کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۴ جولائی ۱۹۶۲ کو اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے پر حکومتی آرڈی ننس کو چیلنج کر دیا۔ حکومت نے اس پر سخت واویلا کیا اور ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے۔ مغرب زدہ خواتین سے "اپوا" کے پلیٹ فارم سے عباس علی خانؒ کے خلاف بھرپور مہم چلائی، ملک بھر میں جلوس نکالے گئے اور ان کی تصاویر کو نذر آتش کیا گیا۔ مگر وہ اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹے۔ ان کی اس استقامت اور جرأت کو سراہا گیا۔ محب وطن اور اسلام پسند حلقوں کی طرف سے انھیں اس موقع پر بڑی تعداد میں مبارک باد کے خطوط اور تار موصول ہوئے۔ یہ ان کے پارلیمانی کردار کی ایک جھلک تھی۔

ایوب خان کی آمریت کا مقابلہ کرنے کے لیے اور جمہوریت کی بحالی کے لیے جو عوامی تحریک چلائی گئی، اس میں آپ نے کلیدی رہنما کا کردار ادا کیا۔ اس تحریک کے نتیجے ہی میں ایوب خان کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

۱۹۷۱ میں عباس علی خانؒ نے مشرقی پاکستان کی کابینہ میں بہ طور وزیر تعلیم بھی خدمات انجام دیں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے تعلیمی پالیسی اور نظام تعلیم کو اسلامی خطوط پر آگے بڑھانے کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ سقوط مشرقی پاکستان (۱۶ دسمبر ۱۹۷۱) کے بعد انھیں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد ملک میں جمہوریت کے فروغ اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے انھوں نے جدوجہد جاری رکھی۔ جنرل ارشاد کی حکومت کے خلاف ایک بھرپور عوامی تحریک چلائی گئی۔ اس تحریک کی مرکزی قیادت جن تین افراد پر مشتمل تھی ان میں ایک عباس علی خانؒ بھی تھے۔ یعنی خالدہ ضیا، حسینہ واجد اور عباس علی خان۔ انھوں نے ایک بھرپور سیاسی زندگی گزاری اور اسلام اور جمہوریت کے فروغ کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

شخصیت و خدمات: عباس علی خان مرحوم تحریک اسلامی کے سابقون الاولون میں سے تھے۔ وہ اخلاص نیت، پاکیزگی، تقویٰ و پرہیزگاری، عبادت و بندگی، عدل و احسان اور اتباع رسولؐ میں آگے آگے تھے۔ فریضہ اقامت دین کی ادائیگی کے لیے اور اس راہ میں صبرواستقامت اور قربانی کے حوالے سے وہ ایک قابل تقلید نمونہ تھے۔ للّٰہیت، تعلق باللہ اور تقرب الٰہی ان کی شخصیت کا منفرد وصف تھا۔ تہجد گزار تھے۔ ان کی نمازیں احسان اور خشوع و خضوع سے بھرپور ہوتی تھی۔ نفلی عبادات کا بھی خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ ذکر اور دعاؤں میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔

وہ سلیم الطبع تھے۔ اپنا کام خود کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ وقت کے بہت پابند تھے۔ ہمیشہ سچی اور سیدھی بات کہتے، کبھی لگی لپٹی نہ رکھتے۔ کبھی کسی کو گالی نہ دیتے تھے۔ انھیں غصے میں کبھی نہیں دیکھا گیا۔ متانت سے بات کرتے تھے، کسی کی اہانت نہ کرتے۔ نہایت ملنسار تھے، لوگوں کے بارے میں حسن ظن رکھتے تھے۔ سیاسی مخالفین تک کی تکریم کرتے تھے۔ دین کے علم و فہم کے لحاظ سے ایک بلند پایہ عالم دین تھے۔ دینی مسائل پر ان کی گہری نظر تھی۔ علما کے حلقے میں ان کا نام احترام سے لیا جاتا تھا۔

تحریک اسلامی ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ تحریک کے حوالے سے جو کچھ محسوس کرتے تھے، اسے بلاجھجک بیان کرتے۔ ان کا انداز اتنا موثر، دل پذیر اور اثر انگیز ہوتا تھا کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہہ جاتے تھے۔ تحریک کے مسائل پر خاص طور پر نظر رکھتے تھے کہ کام صحیح خطوط اور معیاری بنیادوں پر آگے بڑھ سکے۔ زندگی کے آخری ایام میں انھیں تحریک اسلامی کے حوالے سے کچھ کمزوریوں اور مسائل کا احساس ہوا۔ اس طرف بھرپور انداز میں توجہ دلانے کے لیے انھوں نے **ایک نظریاتی جماعت کے زوال کے اسباب** کے نام سے ایک کتابچہ لکھا اور بروقت رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ یہ ان کی تحریک سے قلبی تعلق کی نوعیت تھی۔

عباس علی خان مرحوم کبرسنی اور بڑھاپے کے باوجود جس جذبے اور لگن سے کام کرتے تھے اس کا اندازہ پروفیسر غلام اعظم صاحب کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے جو انھوں نے ان کے جنازے کے موقع پر پلٹن میدان، ڈھاکہ میں انھیں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہے۔ انھوں نے کہا عباس علی خان مرحوم میرے لیے source of inspiration تھے۔ گو عمر کے اعتبار سے وہ مجھ سے آٹھ سال بڑے تھے لیکن ۸۵ برس کی عمر میں بھی وہ جس جذبے اور لگن سے کام کرتے تھے، بسااوقات میں پریشان ہو جاتا تھا کہ مجھے تو ان سے زیادہ کام کرنا چاہیے۔ اللہ ان کی خدمت جلیلہ کو قبول فرمائے اور درجات کو بلند فرمائے۔ (آمین)

انھیں ان کے گھر کے نزدیک جے پور ہاٹ میں دفنایا گیا۔

نئی مطبوعات

۱۔ اسلامی جامعات	ظہیر الدین بھٹی (مترجم)
۲۔ حرمین الشریفین اور تبرکات نبویؐ	علی اصغر چوہدری
۳۔ سائنس خدا کے حضور میں	پروفیسر راؤ مختار احمد
۴۔ ذوالجلال والاکرام	شاہدہ ناز قاضی
۵۔ شعلہء گفتار	محمد منیر افضل
۶۔ تفہیم القرآن کی تمثیلات و تشبیہات	ڈاکٹر محمد جنید
۷۔ تسہیل القرآن	میر محمد حسین
۸۔ قرآنی سورتوں کے موضوعات و مرکزی مضامین	امیر محمد حسین
۹۔ سیرت نبویؐ میں عورت کا کردار	پروفیسر عاصمہ فرحت
۱۰۔ امریکہ میں مسلمان اور ان کی قیادت	ابراہیم ہمدانی
۱۱۔ اسلام کی اخلاقی تعلیمات	عرفان حسن صدیقی
۱۲۔ احکام الٰہی	مرزا جاوید اقبال
۱۳۔ دعوت ایمان	محمد ندیم اعظم
۱۴۔ تفہیم الاسلام (نہم، دہم)	
۱۵۔ جدید ترکی میں اسلامی بیداری	ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی
۱۶۔ عالم عرب پر مشنری یلغار	ظہیر الدین بھٹی (مترجم)
۱۷۔ اسلام جدید دور میں	سلمان حسین خان

اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

۱۳-ای، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

فون : 7664504-7669546 فیکس : 7658674

e-mail: islamic@ms.net.pk

شوروم : ۱۰- چیمبر جی روڈ، اردو بازار لاہور۔ فون : 7248676

رسائل و مسائل

سود کی مختلف نوعیتیں

سوال: ا۔ بنک میں ملنے والا منافع' فکس ڈپازٹ' نیشنل اور ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹس اور پرائز بانڈ پر ملنے والا منافع' انعام' جوا یا سود کی شکل ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کس طرح؟

۲۔ وہ رقم جو ہم جائز طریقے سے کماتے' حاصل کرتے ہیں' اس رقم پر حاصل ہونے والا منافع سود کی شکل کیسے اور کیونکر اختیار کر لیتا ہے۔

۳۔ جایداد (مکان اور دکان وغیرہ) یا اشیا کا کرایہ (ماہ بہ ماہ یا سالانہ) جو کہ مقرر کر دیا جاتا ہے' سود کے ضمن میں آتا ہے یا نہیں۔ اگر سود کے ضمن میں شمار ہوتا ہے تو کیوں اور اگر نہیں تو کیوں؟

۴۔ ان اسکیموں سے حاصل ہونے والا سود کی رقم کا کوئی استعمال ہو سکتا ہے؟

۵۔ بنک اگر زکوٰۃ کاٹ لیتا ہے تو کیا ادائیگی ہو جاتی ہے؟

۶۔ سود کی ایسی کوئی آسان تعریف یا تشریح جس کا کسی صورت پر اطلاق کر کے سود ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں فیصلہ کر سکیں۔

جواب: ا۔ موجودہ بنکوں میں رقم جمع کرانے پر ملنے والا "منافع" سود ہے۔ منافع کسی تجارتی لین دین میں واقع ہوتا ہے جہاں بالفعل کوئی کاروبار ہو۔ اس کاروبار میں کل وصولی اور کل لاگت کا فرق منافع ہے' خواہ یہ منافع ایک فرد حاصل کرے یا ایک ادارہ۔ اگر کاروبار میں ایک سے زائد افراد شریک ہیں تو وہ منافع کو پہلے سے متعین نسبت سے تقسیم کر لیں گے' اور بصورت نقصان اپنے سرمایے کی نسبت سے اس میں شریک ہو جائیں گے۔

بنک کے پی ایل ایس کھاتوں کا "منافع" بھی دراصل سود ہے۔ بنک بنیادی طور پر قرضوں کا لین دین کرتے ہیں اور اس پر "منافع" (سود) کماتے ہیں' جس کی شرح پہلے سے طے شدہ ہوتی ہے اور اس میں مدت بھی متعین ہوتی ہے' جیسے پانچ فی صد سالانہ وغیرہ۔ بنک بنیادی طور پر یہی کام کرتے ہیں کہ وہ افراد یا اداروں کو ایک متعین شرح "منافع" (mark - up) پر قرضے جاری کرتے ہیں اور ان سے حاصل ہونے

والے "منافع" میں سے ایک حصہ اپنے اکاؤنٹ ہولڈرز کو دے دیتے ہیں' لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ "منافع" کی یہ شرح متعین نہیں ہوتی بلکہ چند فی صد کم و بیش کی جاتی ہے۔ اس پورے معاملے میں کہیں باقاعدہ کاروبار نہیں ہوا۔ اس لیے اس کام میں اور ایک سودی بنک کے کاروبار میں کوئی فرق نہیں۔ اس بنا پر بنک سے ملنے والا "منافع" دراصل سود ہے' جس سے بچنا ضروری ہے۔

فکس ڈیپازٹ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ فکس ڈیپازٹ میں آپ اپنی رقم ایک مقررہ مدت کے لیے جمع کرواتے ہیں اور اس پر ایک متعین شرح سے "منافع" (سود) ادا کیا جاتا ہے۔ جتنی مدت زیادہ ہو گی اتنی ہی شرح سود زیادہ ہو گی۔ اس لحاظ سے یہ نام نہاد (نفع و نقصان شراکتی کھاتہ) سے بھی آگے کا معاملہ ہے۔

نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹ اور ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ میں "سرمایہ کاری" بھی ایک سودی معاملہ ہے۔ یہاں حکومت پاکستان عوام سے ان کی بچتیں بہ طور قرض لیتی ہے اور اس پر ان کو ایک خاص شرح سے منافع (سود) ادا کرتی ہے۔

پرائز بانڈ بنیادی طور پر وہ قرض ہے جو حکومت عوام سے براہ راست لیتی ہے۔ لوگ اپنی بچتیں بانڈز کی صورت میں حکومت کے پاس جمع کرواتے ہیں۔ بچتوں پر حکومت ایک طے شدہ رقم انعامات کی صورت میں عوام کو ادا کرتی ہے۔ اس معاملے میں صرف سود ہی نہیں پایا جاتا بلکہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر۹۰ کی روشنی میں قمار (جوا) کا معاملہ بھی پایا جاتا ہے۔

۲۔ جائز طریقے سے کمائی ہوئی رقم حلال ہے لیکن جب آپ اسی رقم کو ایک غلط معاملے میں استعمال کریں گے تو اس پر حاصل ہونے والا "منافع" حرام ہو گا' جب کہ آپ کا اصل زر حلال ہی رہے گا۔

۳۔ جایداد (مکان و دکان) کا معاملہ سود کی تعریف میں نہیں آتا ہے اور کرایہ لینا حلال اور جائز ہے۔ تفصیل آپ فقہ کی کتب میں "اجارہ" کے ضمن میں دیکھ سکتے ہیں۔ آپ یہ پیش نظر رکھیں کہ جہاں رقم کے بدلے رقم اور اس پر اضافہ ہو گا وہ سود کا معاملہ ہے' لیکن جہاں شے کے بدلے میں رقم ہو' وہ سود کا معاملہ نہیں ہے۔

۴۔ ان اسکیموں سے حاصل ہونے والا منافع کسی فرد یا ادارے کو ثواب کی نیت کے بغیر دے دیا جائے اور پیش نظر یہ ہو کہ یہ ایک نجاست ہے اور اس سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ لیکن مساجد و مدارس کی تعمیر وغیرہ کے لیے یہ رقم نہ دی جائے۔ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث پیش نظر رہے: اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ وَلاَ یَقْبَلُ اِلاَّ طَیِّبًا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ طیب یعنی پاک ہے اور پاک چیز کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہیں کرتا)۔

۵۔ آپ کو اپنی جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ ادا کرنا ہے' اگر اس رقم پر بنک نے زکوٰۃ کاٹ لی ہے تو آپ کی

طرف سے ادائیگی ہو چکی ہے۔

۶۔ سود کی تعریف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی کتاب سود میں ان الفاظ میں کی ہے: "قرض میں دیے ہوئے راس المال پر جو زائد رقم مدت کے مقابلے میں شرط اور تعیین کے ساتھ لی جائے وہ "سود" ہے (ص ۱۵۳)۔

مندرجہ بالا تعریف سود کی ایک قسم ربا النسیئة کی ہے، یعنی قرض یا ادھار کے معاملے کی، جب کہ دوسری قسم ربا الفضل ہے جو یکساں نوعیت کی اشیا کے باہمی لین کے حوالے سے ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے: "ایک فریق کا دوسرے فریق کے ساتھ ایک ہی قسم کی اشیا کے لین دین (مثلاً سونا سونے کے بدلے میں، گندم گندم کے بدلے میں، جو جو کے بدلے میں وغیرہ) میں زائد شے کا حاصل کرنا" ربا یا سود ہے۔ (مزید تفصیل کتاب سود میں ملاحظہ فرمائیں، ص ۱۴۷ تا ۱۵۶)۔

دراصل یہ سب مسائل اسلامی نظام زندگی نافذ نہ ہونے کی وجہ سے ہیں۔ ان مسائل کا سب سے شافی جواب اسلامی نظام زندگی کا انفرادی اور اجتماعی طور پر نفاذ ہے جس کے لیے جدوجہد کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ ہمیں اس سلسلے میں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم اپنی ذمہ داری کو کس حد تک پورا کر رہے ہیں۔

(پروفیسر میاں محمد اکرم)

بنک سے زکوٰۃ کی کٹوتی

س: ۱۔ بنک میں زکوٰۃ کی کٹوتی سے سال بہ سال رقم کم ہوتی جاتی ہے، جب کہ سود کی وجہ سے "منافع" بھی نہ لیا جائے۔ کیا اس کا کوئی مداوا ہے؟

۲۔ پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کب عائد ہوتی ہے؟

ج: ۱۔ زکوٰۃ کٹنے کی صورت میں رقم تو کم ہو گی، لیکن اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پیش نظر رہے کہ یتیموں کے مال کو کاروبار میں لگاؤ مبادا کہ زکوٰۃ اس کو کھا جائے۔ اس کا بہترین طریقہ تو کاروبار میں لگانا ہے۔ جہاں تک رقم کی قیمت کم ہونے کا معاملہ ہے، اس کے لیے indexation کا معاملہ علما کے زیر غور آتا رہتا ہے لیکن آج تک اس پر کوئی اجماع نہیں ہو سکا۔

۲۔ پراویڈنٹ فنڈ ریٹائر ہونے پر ملتا ہے، اور ایک فرد جب کسی رقم کا مالک بنتا ہے تو اس کے ایک سال بعد اس پر زکوٰۃ فرض قرار پاتی ہے۔ جب تک آپ نے فنڈ حاصل نہیں کیا، اس کے مالک آپ نہیں بلکہ حکومت ہے اور اس لیے آپ پر زکوٰۃ کی ادائیگی رقم ملنے پر ہی فرض ہو گی۔ (بحوالہ مفتی محمد شفیعؒ)، (م

سود کے جواز کا ایک حیلہ

س: آپ جانتے ہیں کہ روپے کی قیمت کا تعین سونے سے ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص رقم جمع کراتے وقت روپے کی قیمت کا تعین سونے کے بھاؤ سے کر لے اور جب سال یا دو سال کے بعد اپنی رقم واپس لے، اور اس وقت سونے کی قیمت سے تقابل کر کے جس قدر روپے کی قیمت میں کمی ہوتی ہے اتنی کمی منافع میں سے پوری کر لے اور باقی جو منافع زائد ہو وہ حاجت مندوں کو دے دے، تو کیا یہ جائز ہے؟ اگر ایسا کرنا جائز نہیں ہے تو اس کے روپے کی قیمت میں جو کمی واقع ہوئی ہے اس کا ازالہ کیسے ممکن ہے؟ جب کہ اسلام کا اصول ہے لَا ضَرَرَ وَلَاضِرَارَ فِی الْاِسْلام۔

ج: یہ ایک حیلہ ہے اور حیلوں سے ناجائز چیزیں جائز نہیں ہو جاتیں۔ اس کے بجائے آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ ڈالرز وغیرہ خرید کر فارن کرنسی اکاؤنٹ کھلوالیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ آپ اتنی مالیت کا سونا لے کر لاکرز میں رکھوالیں۔ لیکن آپ نے جو حیلہ تجویز کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ حکومت کی بتائی ہوئی افراط زر کی شرح اور اصل شرح میں بہت فرق ہوتا ہے۔ مثلاً حکومت کا دعویٰ چھ فی صد کا ہے جب کہ نجی اداروں کا اندازہ ۱۰ تا ۱۵ فی صد کا ہے، تو آپ کس شرح پر اعتبار کریں گے؟ اور اگر کر بھی لیں تو بہرحال شریعت میں اس کی گنجایش نظر نہیں آتی۔ (م - ا)

کریڈٹ کارڈ کا استعمال

س: کریڈٹ کارڈ کلچر آج کل فروغ پا رہا ہے۔ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ لیکن ہنگامی ضرورت میں اس کی افادیت بھی ہے۔ کریڈٹ پر حاصل ہونے والی رقم مقررہ مدت کے اندر جمع کروانے پر سود کی ادایگی نہیں کرنی ہوتی ہے بلکہ صرف اصل رقم جمع کروانی ہوتی ہے۔ میری رہنمائی فرمایئے کہ کریڈٹ کارڈ کن حالات میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کریڈٹ کارڈ کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟ (عمومی حالات میں)۔ کریڈٹ کارڈ ایمرجنسی (حادثہ، بیماری، رقم ضائع ہو جانا، رقم گم ہو جانا) کی صورت میں بہت زیادہ مددگار پایا گیا ہے۔ اس کا استعمال اس صورت میں کس حد تک جائز ہے؟

ج: اسلام میں بنیادی طور پر قرض حاصل کرنے کی سختی سے حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ریاست مدینہ کے شروع کے سالوں میں مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے، لیکن جب

ریاست اس قابل ہو گئی کہ وہ نادہندہ مقروضوں کے قرض ادا کر سکے تو اس کے بعد مندرجہ بالا صورت باقی نہ رہی۔ دوسری طرف ضرورت مندوں کو قرض دینے پر بہت زیادہ ابھارا گیا ہے۔ غالباً اس کی حکمت یہ ہے کہ معاشرے میں حقیقی ضرورت کے لیے باہمی مدد کا نظام کام کرے۔

اس کی روشنی میں' انتہائی ضرورت ہو تو کریڈٹ کارڈ حاصل کیے جا سکتے ہیں لیکن اس رقم پر سود کا اطلاق شروع ہونے سے پہلے بنک کو ادائیگی کر دی جائے۔ (م-ا)

بولی والی کمیٹی: سود کی ایک شکل

س: چند تاجر مل کر اس طرح "کمیٹی" ڈالتے ہیں کہ تمام شرکا برابر کی رقم ادا کرتے ہیں۔ اس طرح کل جمع شدہ رقم پانچ لاکھ ہو جاتی ہے اور یہ ہر ماہ کسی ایک کو دے دی جاتی ہے لیکن بذریعہ قرعہ اندازی یا کسی کی ضرورت کے تحت نہیں' بلکہ یہ رقم میز پر رکھ دی جاتی ہے اور ممبران سے کہا جاتا ہے کہ نیلامی کی طرح بولی لگائیں۔ اس طرح جو ممبر سب سے زیادہ بولی لگاتا ہے "کمیٹی" کی رقم اس کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ ہر ماہ ایسے ہی چلتا رہتا ہے۔ پہلی دو' تین کمیٹیوں کی بولی ۵۰' ۶۰ ہزار تک پہنچ جاتی ہے جو کہ بعد کے مہینوں میں کم ہوتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ آخری دو یا تین مہینوں میں یہ بولی چار پانچ ہزار سے آگے نہیں بڑھتی۔ اس طرح حاصل ہونے والی بولی کی رقم کو یہ تاجر منافع قرار دیتے ہیں اور تمام شرکا آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔ کیا یہ سود ہے؟

ج: کمیٹی کی رقم بولی پر لینا' پانچ لاکھ روپے لے کر اس کے عوض میں ساڑھے پانچ لاکھ روپے واپس کرنا' کھلم کھلا سود ہے۔ کمیٹی کی رقم دراصل قرض ہے جو کمیٹی کا رکن وصول کرنے کے بعد واپس کرتا ہے۔ اگر اس پر اضافی رقم دی جائے گی تو یہ کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبًا' ہر قرض جس پر منافع ملے وہ سود ہے" کے اصول کی روشنی میں سود شمار ہو گی۔ (مولانا عبدالمالک)

تن درست رہنا ہر انسان کا حق ہے

تن درستی ہر انسان کی ذاتی ضرورت ہے، مگر تن درستی پاکستان کی بھی ضرورت ہے

تن سکھ سے تن درست

پاکستان سے محبت کرو، پاکستان کی تعمیر کرو، آزادی کا احترام کرو



ہر فردِ ملت کا حق اور فرض ہے کہ وہ تن درست رہے، توانا رہے اور پوری طاقت اور توانائی کے ساتھ پاکستان کی تعمیر کا فریضہ سرانجام دے۔

تن سکھ سے تن درست

مدینۃ الحکمہ (شہرِ علم و حکمت) کے باغِ نباتات میں کاشت کردہ مشہورِ عالم ایلوویرا اور نباتاتِ چنیدہ سے تیار کردہ تن سکھ ایک بے مثل نباتی مرکب ہے۔ اس کا ہر قطرہ ضامنِ صحت ہے۔ عنوانِ تن درستی ہے۔

ہر کھانے سے پہلے چار چار چمچے نوشِ جان کیجیے اور دوران کار جب تھکن محسوس ہو تو پانچ چمچے پانی میں ملا کر نوشِ جان کیجیے اور ہر دم توانا رہیے اور ہمہ وقت چاق چوبند۔

تن سکھ

مدینۃ الحکمۃ

تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی شہر

آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعاتِ ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع بین الاقوامی شہرِ علم و حکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

ہر نونہال اور ہر نوجوان کی ضرورت

ہر کمزور اور ناتواں انسان کی حاجت

ہمدرد

کتاب نما

اقبال اور مودودی کا تقابلی مطالعہ، عمر حیات خاں غوری۔ ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی ہند، چتلی قبر، دہلی۔ صفحات: ۴۷۸۔ قیمت: ۵۵ روپے۔

اسلام کی نشاتِ ثانیہ کے لیے برعظیم اور عالمِ اسلام میں اس وقت اسلامی تحریکیں سرگرمِ عمل ہیں مگر بیسویں صدی کے ربعِ اول میں صورتِ حال یہ نہیں تھی۔ اکثر مسلم ممالک نہ صرف غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے بلکہ مغربی تہذیب کی چکاچوند نے جدید تعلیم یافتہ طبقے کی آنکھوں کو خیرہ کر رکھا تھا۔ پھر اشتراکیت بھی یہاں قدم جما رہی تھی۔ اس صورتِ حال میں پہلے علامہ اقبالؒ اور بعد میں مولانا مودودیؒ نے اسلام کو بہ طور ایک عالمی نظام کے پیش کیا۔ ہر دو نے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو متاثر کیا اور ایک ایسی تحریک اٹھی جس نے پوری دنیا کو مختلف سطحوں پر متاثر کیا۔

مصنف نے شاعر و فلسفی علامہ اقبالؒ اور عالمِ دین و متکلمِ شریعت سید مودودیؒ میں مماثلت کی ایسی صورتیں دریافت کی ہیں جو شاید عام قاری کی نظر میں نہ ہوں گی۔ مصنف کے مطابق دونوں شخصیتیں حکومتِ الٰہیہ کے قیام پر متفق ہیں۔ دونوں ملتِ اسلامیہ کے ہر دکھ کا درماں قرآن میں پاتے ہیں۔ مسئلہ قومیت، مغربی تہذیب و تمدن، اشتراکیت و سرمایہ داری غرض بیسیوں ایسے پہلو ہیں جن کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر یکساں ہے۔ یہ بھی حسنِ اتفاق ہے کہ دونوں نے زیادہ تر جدید تعلیم یافتہ طبقے کو متاثر کیا ہے اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ اسلامی تحریک کو بار آور کرنے کے لیے علامہ اقبال ہی نے مولانا مودودیؒ کو پنجاب آنے کی دعوت دی تھی۔

پہلے باب میں علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودیؒ کا سوانحی و فکری تعارف کے بعد ان کی تصنیفات کے حوالے سے ان کے اساسی کارناموں کا ذکر ہے۔ باب ۲ تا ۵ میں زیادہ تر مولانا مودودیؒ کا فکری ارتقا اور ان کی عملی جدوجہد کا حال ملتا ہے۔ اقبال نے شاعری، فلسفے اور خطبات کے ذریعے ایک اسلامی مملکت کی ضرورت اور قیام کے لیے عملی تگ و دو کر کے، اور مولانا نے عقلی، عملی، مشاہداتی اور تجربی دلائل سے اسلام کی زوردار وکالت کے ذریعے مخالفین کو لاجواب کر دیا۔

اس کتاب کے مطالعے سے ایک نتیجہ تو یہ سامنے آتا ہے کہ اقبال شناسی کے لیے افکارِ مودودیؒ اور مولانا کے افکار کی تفہیم کے لیے اقبال کا مطالعہ ضروری ہے۔ سید انور علی نے اس کتاب کے مقدمے میں

بالکل صحیح بات لکھی ہے: "یہ کتاب نئی نسل کے نوجوانوں کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ بن گئی ہے جس کے ذریعے وہ علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودیؒ کے نظریات، ان کے علمی کام، اور تحریک اسلامی کے متعلق بیش بہا معلومات حاصل کر سکتے ہیں"۔

بایں ہمہ یہ موضوع اقبالیاتی تحقیق کا ایک اہم موضوع ہے جس پر بہت کچھ لکھنے کی گنجایش ہے اور اسے مختلف زاویوں سے بھی دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے (عبداللہ شاہ ہاشمی)۔

کائنات، قرآن اور سائنس، ڈاکٹر دلدار احمد قادری۔ ناشر: فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اردو بازار، کراچی۔ صفحات: ۱۲۸۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔

یہ کتاب، جدید ترین دریافت شدہ حقائق کے تناظر میں، اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی ایک عاجزانہ کوشش ہے کہ قرآن مجید کائنات، اس کی تخلیق، ارتقا اور انجام کے متعلق کیا کہتا ہے۔ مصنف سائنس میں پی ایچ ڈی ہیں، ان کا مضمون کیمیا ہے اور وہ قرآن و حدیث کا علم بھی رکھتے ہیں۔ اس طرح کے موضوعات پر لکھی جانے والی دیگر کتب کے مقابلے میں اس کتاب میں سائنسی معلومات جدید تر ہیں اور پیش کش کا انداز بھی زیادہ معیاری ہے۔ اس موضوع پر لکھی جانے والی اکثر کتب کے برعکس قادری صاحب اس بات کا احساس رکھتے ہیں کہ قرآن کا مقصد سائنسی نظریے پیش کرنا اور سائنسی علوم سکھانا نہیں ہے۔ انھوں نے صرف یہ سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت میں ضمنی طور پر کائنات کے بارے میں جو اشارہ آیا ہے، اس سے کائنات کے متعلق کیا روشنی ملتی ہے۔

مصنف کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے اس موضوع پر جدید ترین سائنسی دریافتوں کو تلاش کیا، عربی لغت کو سامنے رکھا، جدید مفسرین کے تفسیری نوٹ ملاحظہ کیے اور اس بات کو مدنظر رکھا کہ قدیم مفسرین نے ان آیات کا کیا مفہوم سمجھا تھا۔ کتاب کا مطالعہ ان کے دعوے کی تائید کرتا ہے۔

باب اول میں قرآنی علم کی نوعیت کے بارے میں ایک مفید بحث ہے، خصوصاً اکتسابی علم اور علم بالوحی کے تقابل کے حوالے سے۔ دوسرے باب میں قرآن کی وہ آیات نقل کی گئی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ زمین و آسمان خدا نے عدم سے پیدا کیے، اور پھر ایک جدید سائنسی نظریے (Big Bang Theory) کا ذکر ہے جس میں کائنات کا آغاز ایک نقطے سے اور ایک خاص وقت پر تصور کیا جاتا ہے۔ باب چہارم میں قرآنی لفظ "سما" کے معنی و مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے اور پھر زمین کے کرہ ہوائی کے بارے میں دل چسپ معلومات کا ذکر ہے۔ پانچویں، چھٹے، ساتویں اور نویں باب میں چھ ایام میں تخلیق والی قرآنی آیات کو قرآنی محاورے اور عربی شاعری کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آٹھویں باب میں اس قرآنی آیت کا ذکر ہے کہ ہم کائنات کو پھیلا رہے ہیں، پھر کہا گیا ہے کہ قرآنی آیت کے اس مفہوم کی، جدید

سائنس کے پھیلتی ہوئی کائنات کے تصور سے تائید ہوتی ہے۔ نویں اور دسویں باب میں قرآنی آیات اور جدید سائنسی بیانات کو سامنے رکھتے ہوئے کائنات کی تخلیق' ارتقا اور انجام کے بارے میں ایک امکانی نظریہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مصنف نے بجا طور پر کہا ہے کہ یہ ایک نہایت مشکل موضوع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یہ واضح طور پر فیصلہ نہیں کر پائے کہ ان قرآنی آیات اور جدید معلومات کے تقابل سے کیا نتیجہ نکالا جائے بلکہ اس سے پہلے یہ سوال حل طلب ہے کہ قرآنی آیات اور جدید سائنسی معلومات کا کسی مفہوم میں تقابل کیا بھی جا سکتا ہے یا نہیں؟ مصنف خود تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کا مقصد سائنسی نظریے پیش کرنا نہیں ہے۔ مگر کتاب کے اختتام کے قریب وہ خود اس طرح کا تقابل کرتے نظر آتے ہیں۔ قرآنی آیات سے سائنسی نظریے نکالنے کی متنازع خواہش ان کے ہاں بھی موجود ہے۔ اس کی وجہ سے قرآنی تصور قیامت کو سمجھنے میں وہ بہ ظاہر منطق غلطیاں کرتے ہیں۔ ایک اور تضاد یہ ہے کہ کتاب کی تقریظ میں مفتی محمد رفیق حسنی صاحب تو فرماتے ہیں کہ قرآن میں ہر چیز کا ذکر ہے (جميع العلوم فی القرآن)۔ مگر مصنف کہتے ہیں کہ قرآن کا مقصد انسان کو وہ علم سکھانا سرے سے ہے ہی نہیں جو انسان اپنے طور پر حواس' عقل یا وجدان کی مدد سے حاصل کر سکتا ہے **(ڈاکٹر بلال مسعود)**۔

سید مودودی اور ماہ نامہ "معارف"' مرتبہ: سفیر اختر۔ ناشر: دارالمعارف' لوہسر شرفو' واہ کینٹ۔ صفحات: ۱۱۸۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔

بیسویں صدی اختتام کو پہنچ رہی ہے۔ اس کی تاریکیوں میں روشنی کے جو مینار جگمگاتے رہیں گے' ان میں ایک نام سید مودودیؒ (۱۹۰۳ء-۱۹۷۹ء) کا ہے۔ اسلام کے دفاع' توضیح اور دعوت و عزیمت کے میدان میں جب انھوں نے قدم رکھا' تو استقبال کرنے والوں میں ایک معتبر نام علامہ سید سلیمان ندویؒ (م: ۱۹۵۳ء) کا بھی تھا۔

صاحب ذوق ڈاکٹر سفیر اختر نے خاص طور پر رسالہ معارف اور ترجمان القرآن سے دونوں حضرات کے نرم و گرم آثار کا کھوج لگا کر متعلقہ لوازمے کو حسن ترتیب سے زیر تبصرہ کتاب میں مدون کر دیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب بیسویں صدی کے دو مایہ ناز فرزندان اسلام کی باہم محبت' احترام' احتساب اور اعانت کی خوش رنگ تصویر بن گئی ہے۔

کتاب میں معارف سے سید مودودیؒ کے حوالے سے اختلافی اور تحسینی کلمات اور ان کا پس منظر درج ہے۔ سید مودودیؒ کی کتب پر تبصرے اور معارف میں مطبوعہ سیدی کے مضامین کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح وضاحت اور جواب کی صورت میں جو کچھ ترجمان میں چھپا' ان کو بھی ریکارڈ کر دیا گیا ہے۔

پروفیسر خورشید احمد نے دیباچے میں مرتب کی محنت اور علمی دیانت کی داد دیتے ہوئے انھیں مبارک

باد پیش کی ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب ماضی کے دفینوں سے آگہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

سید مودودیؒ نے معاملات کی تفہیم کے لیے بعض جدید اصطلاحات کو ابلاغی سہولت کے لیے استعمال کیا تھا' تب اس پر طبقہ علما نے ناپسندیدگی ظاہر کی تھی' اس کا اظہار سید سلیمان ندویؒ کی تحریروں میں دیکھا جا سکتا ہے (ص ۴۳)۔ اس پر وضاحت کا جو اسلوب سید مودودیؒ نے اختیار کیا' وہ اپنی زبان اور استدلال کے حوالے سے پڑھنے کی چیز ہے۔ یہ ایک دل چسپ حقیقت ہے کہ بعد میں خود طبقہ علما نے ان تمام اصطلاحات کو برضا و رغبت بھرپور طریقے سے خود بھی اختیار و استعمال کرنا شروع کر دیا۔

کتاب کا عنوان ہے: سید مودودی اور ماہ نامہ معارف' مگر پیش کردہ لوازمہ ۱۹۵۳ (وفات سید سلیمان ندوی) تک کا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس کے بعد معارف میں کبھی سید مودودیؒ کا ذکر نہیں آیا؟ کبھی تذکرہ نہیں ہوا؟---- اس کا بھی ذکر ہونا چاہیے تھا۔

ماہرین املا کے مطابق الف پر ختم ہونے والے الفاظ کے بعد ہمزہ (ء) لکھنا درست نہیں۔ اس اعتبار سے "گہرا" (ص ۸۰) احیا (ص ۹) بقا (ص ۸) درست ہے۔ اسی طرح املے کے اصول کے مطابق "مجموعہ سے" یا "معاملہ میں" (ص ۱۱) کو "مجموعے سے" اور "معاملے میں" ہونا چاہیے (سلیم منصور خالد)۔

پیغمبرانہ منہاج دعوت' ڈاکٹر خالد علوی۔ ناشر: احباب پبلشرز' ۴۰ جی' شمع پلازہ' ۷۲ فیروز پور روڈ' لاہور۔ صفحات: ۱۷۶۔ قیمت: ۳۵۰ روپے۔

کار دعوت' حقیقت میں کار نبوتؐ ہے اور انسانی نفسیات اور فہم و شعور سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ ایک بات کس نفسیاتی انداز اور پیرائے میں پیش کی جائے کہ وہ انسانی فہم و شعور میں بیٹھ جائے' دعوت و تبلیغ کا یہی موضوع اور اصل فن ہے۔ داعی کا کام انسان سازی کا کام ہے اور اس کام میں علم و حکمت اور موعظہ حسنہ دونوں کا استعمال ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے انبیاے کرامؑ کی دعوت کے عملی نمونے دے کر اس کے خطوط و حدود واضح کر دیے ہیں۔ یہ نمونے دلوں پر اثراندازی کی بے انتہا قوت رکھتے ہیں۔ عملی نمونوں کا جو اثر ہوتا ہے' وہ دوسرے وسائل دعوت کا نہیں ہو سکتا۔

زیر تبصرہ کتاب میں فاضل مصنف نے حضرت انبیاے کرام (آدمؑ' نوحؑ' ہودؑ' صالحؑ' ابراہیمؑ' لوطؑ' یوسفؑ' شعیبؑ' ایوبؑ' موسیٰؑ اور عیسیٰ علیہم السلام) کی سیرت اور دعوتی منہاج و اسلوب کو قرآن اور بائبل کی روشنی میں تفصیل سے پیش کیا ہے۔ ہر پیغمبر کی سیرت اور واقعات دعوت سے بعض دعوتی صفات و اصول اخذ کیے ہیں' جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے حالات و تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: "قصہ آدم و ابلیس کی تیسری حقیقت بغاوت و توبہ کا امتیاز ہے۔ کائنات میں ابلیسی و آدمی رویوں کا اظہار ہوتا رہے گا۔ یہ دونوں رویے دعوت کی اساس ہیں۔ دعوت کا اصل مقصود انسان کے اندر رجوع الی اللہ

اور احساس ندامت کے رویوں کو پختہ کرنا اور بغاوت و نافرمانی کے رویوں کو ختم کرنا ہے" (ص ۵۳)۔

حضرات ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ اور لوطؑ کے دعوتی منہج و اسلوب میں انذار و تبشیر، حکمت و موعظت الحسنہ اور دعوتی صفات (اخلاص و بے لوثی، عظمت الٰہی کا اثبات، شفقت و محبت) کو قرآنی تعلیمات کے تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی دعوت میں قرآن حکیم نے قوت استدلال، مناظرہ و مجادلہ، زبان اور انداز تخاطب، قوم کو فطرت انسانی اور حقائق کی بنیاد پر دعوت، مخاطب کی نفسیات و رجحانات کا لحاظ، ناصحانہ تڑپ و دل سوزی کے پراثر اسالیب کا ذکر کیا ہے۔

کتاب کا اصل موضوع تو انبیاے کرام کا منہج دعوت ہے مگر اس کے مجموعی مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ تاریخ انبیا، سیرت انبیا اور قصص القرآن کی ایک کتاب ہے۔ مثلاً زیر تبصرہ کتاب کے ضخیم ترین باب (ص ۲۹۷ تا ۵۴۱) میں حضرت موسیٰؑ کے اسلوب و منہج دعوت پر صرف نصف صفحہ (۴۳۱) ہے، باقی دیگر حالات (پیدائش، پرورش، بعثت، معجزات، خرق بحر، غرق فرعون) پر بائبل اور تالمود کے حوالے سے مفصل لکھا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے حالات میں بھی یہی صورت ہے۔

کتاب میں بائبل سے بہ کثرت انگریزی اقتباسات نقل کر دیے گئے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے حالات میں ۷۰ سے زائد اقتباس نقل ہوئے ہیں۔ پھر ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ ان آیات سے کسی پیغمبر کے دعوتی منہج و اسلوب کا کوئی پتا نہیں چلتا۔ مزید برآں بکثرت ایسے مباحث بھی شامل ہیں جن کا موضوع بحث سے کوئی خاص تعلق نہیں، جیسے حضرت ابراہیمؑ کے والد کے نام (آزر، تارح) کی تحقیق، خرق بحر معجزہ تھا یا مدوجزر، معجزہ و سحر کا فرق، ہامان کی شخصیت، موسیٰؑ اور ہارونؑ کا نسب نامہ، موجودہ عیسائیت کی تعلیمات، عقیدہ کفارہ، الوہیت و ابنیت مسیح [مسیح کا بیٹا ہونا] وغیرہ۔

مصنف کے مطابق یہ کتاب دعوت کے طلبہ اور دینی کتب کے عام قاری کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ کتاب کا اسلوب بیان مشکل ہے۔ عربی الفاظ و مترادفات بہ کثرت استعمال ہوئے ہیں جو شاید عام قاری نہ سمجھ سکے، جیسے اسوہ و قدوہ (ص ۱۸)، غزرات علم (ص ۱۹)، ابتذال (ص ۳۱)، سبیل التغلیب (ص ۴۵)، مترفین (ص ۸۱) وغیرہ۔ آیات قرآنیہ پر اعراب کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ ہر باب کے آخر میں مآخذ و مراجع کی تفصیل دی گئی ہے۔ ناشر نے کاغذ، جلد بندی اور روے جلد کی تزئین کے معاملے میں حسن ذوق کا ثبوت دیا ہے۔ تصحیح کتابت پر بھی توجہ کا کچھ حصہ صرف ہوتا تو اچھا تھا (حافظ محمد سجاد تترالوی)۔

شعر و فکر اقبال، ڈاکٹر اسلم انصاری۔ مجلس فکر اقبال، ۱۱ خیابان جناح، سبزہ زار کالونی، بوسن روڈ، ملتان۔ صفحات: ۱۱۷۔ قیمت: ۱۱۰ روپے۔

ڈاکٹر اسلم انصاری اردو اور فارسی کے معروف شاعر، ادیب اور نقاد ہیں۔ مدت العمر فارسی زبان و ادب

کا درس دیا۔ سبک دوشی کے بعد' اب تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہیں۔ ان کی متعدد شعری اور اقبالیاتی تصانیف چھپ چکی ہیں۔ ان کا نیا زیرنظر مجموعہ آٹھ تنقیدی مضامین پر مشتمل ہے۔ اقبال سے اپنی ذہنی اور جذباتی وابستگی کو وہ اپنی "علمی زندگی کے روشن ترین نقاط" میں شمار کرتے ہیں۔

اس مجموعے میں مرزا غالب' شیکسپیر اور مرزا عبدالقادر بیدل سے علامہ اقبال کے ربط و ارتباط پر تین مضامین ہیں۔ جاوید نامہ ' تصور تعلیم اور تشکیل جدید کے دوسرے خطبے پر بھی عمدہ مطالعے پیش کیے گئے ہیں۔ اسلامی تہذیب' ڈراما اور خودی بھی ایک دل چسپ اور عمدہ موضوع ہے۔ اقبال کی شاعری میں ڈرامائی عناصر بہ کثرت موجود ہیں مگر وہ ڈرامے کے استحکام کو خودی کے منافی قرار دیتے ہیں کیونکہ اداکاری اپنی ذات کی نفی اور ایک مصنوعی لبادہ اوڑھ لینے کے مترادف ہے جو علامہ اقبال کے خیال میں انسانی شخصیت کو مسخ کرنے کا باعث بنتی ہے۔ اقبال اور مستقبلیت (فیوچرازم) پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ یہ بھی اس کتاب کا مختصر مگر اچھا مضمون ہے۔ مصنف کہتے ہیں: "اقبال انسانیت کے مستقبل کو مسلمانوں کے مستقبل کے ساتھ وابستہ سمجھتے ہیں۔ اس لیے بعض اوقات وہ مسلمان اور انسانیت کے مستقبل کو ایک ہی صورت میں دیکھتے ہیں" (ص ۱۲۹)۔

ڈاکٹر اسلم انصاری نے بڑی ذہانت اور ایک قابل فہم تنقیدی شعور کے ساتھ اقبال کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کا خیال بالکل بجا ہے کہ اقبال کا فکر و فلسفہ' مشرقی اقوام' خصوصاً ایشیائی مسلمانوں کے لیے' آج بھی اتنا ہی اہم اور بامعنی ہے جتنا وہ بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں تھا' اور یہ کہ ان کا نظام فکر بالواسطہ اسلام کے آفاقی تصورات کا ترجمان اور اسلامی اقدار حیات کی جدید تشریحات سے عبارت ہے (ص ۱۷)۔ اقبالیات کے ربط و یابس میں شعروفکر اقبال کو ایک بامعنی اور منفرد مقام حاصل ہو گا (رفیع الدین ہاشمی)۔

نونہال ' خاص نمبر بہ یاد شہید پاکستان حکیم محمد سعید' مدیر اعلیٰ: مسعود احمد برکاتی۔ ہمدرد نونہال' ہمدرد ڈاک خانہ ' ناظم آباد' کراچی ۔ ۷۴۶۰۰۔ صفحات: ۱۶۰۔ قیمت: ۲۱ روپے۔

حکیم محمد سعید' تاریخ پاکستان کے ان نادر روزگار لوگوں میں سے تھے' جو اپنی زندگی کے آخری لمحات تک خدمت خلق میں مصروف رہے----- ایک سال پہلے ان کی شہادت کا دل خراش سانحہ پیش آیا تھا---- زیرنظر نونہال کے خاص شمارے میں حکیم صاحب کے بارے میں (بچوں کے لیے) بہت سی تحریریں اور تصویریں شامل ہیں۔ بیشتر تحریریں' نونہالوں کی ہیں جو ان کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ نونہالوں میں نیکی اور خدمت خلق کے جذبات ابھارتی ہیں۔

اس خاص شمارے میں حکیم صاحب کے علاوہ بچوں کی دل چسپی کے دیگر موضوعات پر بھی کہانیاں' لطائف اور کارٹون وغیرہ شامل ہیں۔ بچوں کی تفریح' تعلیم اور تربیت ذہنی کے لیے یہ ایک مفید اور عمدہ رسالہ ہے (ر-ہ)۔

مدیر کے نام

ڈاکٹر اسحاق منصوری 'کراچی

"نظام اسلامی کی جدوجہد" (اکتوبر ۱۹۹۹) بہت ہی مفید ہے۔ جدوجہد والا سوال ایک فرد کا مسئلہ نہیں۔ ہمارے ملک کے پڑھے لکھے اور دین دار لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس ذہنی خلفشار اور فکری انتشار کا شکار ہے۔ ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ ہم دین کا بنیادی پیغام اپنے عوام کو نہیں سمجھا سکے ہیں۔ تجزیہ کرنا چاہیے کہ بیج کے بار آور نہ ہونے کے کیا اسباب ہیں؟ جماعت اسلامی یہی بات سمجھانے کے لیے تشکیل دی گئی تھی۔ اگر ہم لوگوں کو یہی بات نہیں سمجھا سکے تو ہم ہی کو سب سے زیادہ فکر ہونی چاہیے۔

خلیل الرحمان 'لالہ موسیٰ

"اللہ کی پناہ چاہنا" (اکتوبر ۱۹۹۹) 'معوذتین کی تفسیر بہت ہی اچھے انداز میں پیش کی گئی۔ تحدیث نعمت کے طور پر اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ پرچہ ملنے کے فوراً بعد ایک دو نشستوں میں ختم کرتا ہوں اور پھر کئی بار دہراتا ہوں اور پھر سارا مہینہ انتظار! ترجمان القرآن کو اپنا مربی ذہنی جان کر اس کے ہر ہر لفظ سے تربیت کا سامان کرنا چاہتا ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ یہ دنیا کے ہر حصے میں ہر ذی شعور انسان تک پہنچے۔

ظفر الاسلام اصلاحی 'علی گڑھ

میری کتاب اسلامی قوانین کی ترویج و تنفیذ' عہد فیروز شاہی کے ہندستان میں (ستمبر ۱۹۹۹) پر سلیم منصور خالد کے تبصرے سے مجھے مطالعہ و تحقیق کے لیے رہنمائی ملی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم عہد حکومت کی تاریخ کے ساتھ اپنوں نے بھی انصاف نہیں کیا۔ زیادہ زور منفی پہلوؤں کو نمایاں کرنے پر صرف کیا جاتا ہے' جب کہ مطالعہ و تجزیہ سے اس بدنام عہد کے بہت سے مثبت پہلو سامنے لائے جاسکتے ہیں۔

عرفان احمد 'منچن آباد' بہاول نگر

"تحریک اسلامی میں خواتین کا کردار" (ستمبر ۱۹۹۹) میں مذہبی حلقوں کے لیے غور و فکر کے کئی اہم نکات ہیں۔ مذہبی گھرانوں میں بھی عورت اپنے جائز شرعی حقوق سے محروم ہے۔ رسوم و رواج میں جکڑی ہوئی ہے۔ اس کے خلاف اس انداز میں جدوجہد کی ضرورت ہے جیسی کہ سید احمد شہیدؒ نے کی تھی۔ اسلامی تہذیب' تحریکوں' افراد اور اداروں کو حکیمانہ بصیرت کے ساتھ لائحہ عمل بنانا چاہیے۔

ڈاکٹر عبدالواسع 'خانوزائی' بلوچستان

کیا ہی اچھا ہو کہ ابن کثیرؒ' امام غزالیؒ' اشرف علی تھانویؒ' ابن تیمیہؒ' شبلی نعمانیؒ اور ان جیسے دیگر اکابرین امت کی کتب میں سے مختلف موضوعات پر مضامین کی تلخیص پیش کی جائے۔ اسی طرح "فہم حدیث" کے عنوان سے احادیث کی تشریح شائع کی جاتی ہے لیکن روایت اور درایت' اسماء الرجال کے حوالے سے تحقیقی موضوعات پر تحریروں کی کمی محسوس ہوتی ہے۔

عمر عبدالعزیز 'نیویارک

امریکہ میں ترجمان القرآن کی اشاعت میں اضافے کی مہم جاری ہے۔ جولائی میں آئی سی این اے کے کنونشن میں' اگست میں نیویارک میں آزادی کی تقریبات میں' اور ستمبر میں شکاگو میں آئی ایس این اے کے کنونشن میں اسٹال لگایا اور رابطے کی مہم جاری رکھی۔ امید ہے کہ یہ مہم دسمبر ۱۹۹۹ تک جاری رہے گی اور تعداد ۵۰۰ سے ۷۵۰ ہو جائے گی' ان شاء اللہ!

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک' اچھرہ' لاہور سے شائع کیا

زخمی ،معذور اور بیمار مجاہدین ،مہاجرین کا ادارہ

کشمیر سرجیکل ہسپتال

زیر اہتمام : پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن

- اکتوبر 1990 سے جون 1999ء تک 360000 ہزار مریضوں کا مفت اور مکمل علاج کیا گیا۔
- 1000 سے زائد افراد کو فراسٹ بائٹ سے نجات دلا کر معذور ہونے سے بچا لیا گیا۔ (الحمد للہ)
- تمام مہاجرین اور عسکری تنظیموں کے مجاہدین کا مکمل اور مفت علاج کیا جا رہا ہے
- کشمیر سرجیکل ہسپتال کے تحت متحدہ جہاد کونسل میں شامل تمام تنظیموں کے کیمپوں 60 فرسٹ ایڈ سنٹر کام کر رہے ہیں
- روزانہ 250 سے 350 مریضوں کو مفت طبی امداد فراہم کی جاتی ہے
- ہسپتال کے زیر اہتمام مہاجرین کے کیمپوں میں چار مستقل ڈسپنسریاں اور چار ایمبولینس گاڑیاں ہمہ وقت مصروف کار ہیں جبکہ کیمپوں میں چار نئی ڈسپنسریاں قائم کی جا رہی ہیں۔
- مظفر آباد اور کوٹلی میں چار ایمبولنس گاڑیاں ہمہ وقت مصروف کار ہیں
- دو نئے وارڈ کی تعمیر جاری ہے
- معذور مجاہدین اور مہاجرین کو 800 سے زائد مصنوعی اعضاء لگائے گئے

کیا آپ کا بھی اس میں کوئی حصہ ہے



خوش نصیب ہے جو گھر بیٹھے

★ غزوہ ہند میں شریک ہے ★ اپنی ملت کی زخمی شہ رگ سے بہتے لہو پر مرہم رکھ رہا ہے ★ زخمی و معذور مجاہدین و مہاجرین کی خدمت اور عیادت کا ثواب حاصل کر رہا ہے ★ عظیم ملی فریضے کی ادائیگی کر رہا ہے

اور رسول ﷺ سے جنت کی بشارت پا رہا ہے (الحدیث) اور جو اس سے محروم ہے وہ یقیناً بہت ہی محروم ہے

آپ نقد عطیات کے علاوہ ادویات کی صورت میں بھی مدد کر سکتے ہیں



اکاؤنٹ نمبر 1128
بنک آف پنجاب
مظفر آباد آزاد کشمیر

تعاون کے لیے

ڈاکٹر محمود حسین کیانی (میڈیکل سپرنٹنڈنٹ)

کشمیر سرجیکل ہسپتال چھتر فارم روڈ مظفر آباد آزاد جموں کشمیر

فون : 058810-3700

C.P.L. 236

Phone : 7587916
7585590

Monthly TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE.